



ISSN-0971-5711



2007

165

اکتوبر

پودوں کے نٹیرے





INTEGRAL UNIVERSITY

KURSI ROAD, LUCKNOW

(Established under U. P. Act No. 09 of 2004 by State Legislation)

Approved by U. G. C. under section 2(f) of the UGC Act 1956

Phone No. 0522- 2890812, 2890730, 3296117, Fax No. 0522-2890809

Web : www.integraluniversity.ac.in, E-mail: info@integraluniversity.ac.in

THE UNIVERSITY

Integral University is committed to provide students with quality education in Under Graduate, Post Graduate and Ph.D. Programmes in a highly disciplined, decorous and decent, lush-green environment. It is synonym of excellence of education. This is a State University under a private sector.



Pharmacy Block



Hostel Block



Administrative Block

UNDERGRADUATE COURSES

- (1) B. Tech. - Computer Sc. & Engg.
- (2) B. Tech. - Electronics & Comm. Engg.
- (3) B. Tech. - Electrical & Elex. Engg.
- (4) B. Tech. - Information Technology
- (5) B. Tech. - Mechanical Engg.
- (6) B. Tech. - Civil Engineering
- (7) B. Tech. - Biotechnology
- (8) B. Arch. - Bachelor of Arch.
- (9) B. Arch. - Bachelor of Construction Mgmt.
- (10) B.F.A. - Bachelor of Fine Arts
- (11) B.Pharm- Bachelor of Pharmacy
- (12) B.P.Th. - Bachelor of Physiotherapy
- (13) B.C.A. - Bachelor in Comp. Appl.
- (14) B. Ed. - Bachelor of Education

POSTGRADUATE COURSES

- (1) M. Tech. - Electronics Circuit & Sys.
- (2) M. Tech. - Production & Indl. Engg.
- (3) M. Tech. - Biotechnology
- (4) Integrated M.Tech. (B.Tech.+M.Tech.)
- (5) M. Arch. - Master of Architecture
(Full time/Part time)
- (6) M. Sc. - Biotechnology
- (7) M. Sc. - (Microbiology)
- (8) M. Sc. - (Industrial Chemistry)
- (9) M. Sc. - (Bioinformatics)
- (10) M. Sc. - (Physics)
- (11) M. Sc. - (Applied Mathematics)
- (12) MCA - Master of Comp. App.
- (13) MBA - Master of Business Admn.

Ph. D. PROGRAMMES

- (1) Electronics, Mechanical Engg., Pharmacy, Biotechnology
- (2) Basic Sciences, Social Sciences, Humanities & Mgmt, Education
- (3) Architecture

DIPLOMA COURSE

- (1) D.Pharm- Diploma in Pharmacy

COURSES AT STUDY CENTRES

- (1) BCA - Bachelor of Comp. App.
- (2) BBA - Bachelor of Busin. Adm.
- (3) B.Sc.- I.T.e.S
- (4) Diploma in Comp. Sc & Engg.
- (5) Diploma in Electronics & Communication Engg.

UNIQUE FEATURES

- State-of-Art Comp Centre (with PIV machines fully air-conditioned & all the latest peripheral devices & S/W support).
- Comp. Aided Design Labs for Mech. & Architecture Department.
- Modern Comp. Labs equipped with PIV machines and S/W support providing latest technologies in the field of IT and Comp Engg.
- State-of-Art Library with large No. of books, CDs and Journals.
- Well established Training & Placement Cell.
- ISTE Students Chapter.
- Publication of Newsletters, Annual Magazine etc.
- 50% seats are reserved for Minorities candidates.
- Few courses are accredited with NBA others are in pipeline.

STUDENTS FACILITIES

- In campus banking, post office, ATM, medical facility.
- Facility of Educational Loan through PNB.
- Good hostel facilities for boys & girls.
- Transportation facilities.
- In campus retail store with STD & PCO facility.
- 24 hours broadband Internet Centre comprising of high-end-systems, each providing a bandwidth of 2 mbps to provide high capacity facilities.
- In Campus canteen, gymnasium & students' activity centre.
- Centre for Alumni Association.



Selected for World Bank Assistance under TEQIP on account of Educational Excellence

اردو ماہنامہ

سائنس

165

جلد نمبر (14) اکتوبر 2007ء شمارہ نمبر (10)

ایڈیٹر :

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز
(فون: 98115-31070)

مجلس ادارت :

ڈاکٹر محسن الاسلام فاروقی
عبداللہ ولی بخش قادری
عبدالودود انصاری (ملری ہال)
نہیمینہ

مجلس مشورہ :

ڈاکٹر عبدالعزیز (مکرمہ)
ڈاکٹر عابد معمر (ریاض)
سید شاہد علی (لندن)
ڈاکٹر لائق محمد خاں (امریکہ)
شخص تبریز عثمانی (دہلی)

قیمت فی شمارہ = 20 روپے

5 ریال (سعودی)
5 درہم (اے۔یے۔ای)
2 ڈالر (امریکی)
1 پاؤنڈ

زرسالانہ :

200 روپے (سادہ ڈاک سے)
450 روپے (ڈیریکورڈ سے)
برائے غیر ممالک
(ہوائی ڈاک سے)

60 ریال (دربارہم)
24 ڈالر (امریکی)
12 پاؤنڈ
اعانت تاعمر
3000 روپے
350 ڈالر (امریکی)
200 پاؤنڈ

Phone : 93127-07788

Fax : (0091-11)23215906

E-mail : parvaiz@ndf.vsnl.net.in

خط و کتابت : 665/12 ڈاک گھر، نئی دہلی - 110025

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا زرسالانہ ختم ہو گیا ہے۔

☆ سرورق : جاوید اشرف

☆ کمپوزنگ : کفیل احمد

ہندوستان کا پہلا سائنسی اور معلوماتی ماہنامہ
اسلامی فاؤنڈیشن برائے سائنس و ماحولیات نیز
انجمن فروغ سائنس کے نظریات کا ترجمان

ترقیب

- پیغام 2
ٹاکجسٹ 3
پودوں کے نیرے ڈاکٹر جاوید احمد 3
ایلو جنگل سے گریک ڈاکٹر رحمان انصاری 6
شان خدا سیر کائنات فضل ن۔م۔احمد 8
آم ڈاکٹر امان مسور 13
تم سلامت رہو ہزار برس ڈاکٹر عبدالعزیز 16
عسقلانی نظام سر قرازا احمد 23
ماحول و اچ ڈاکٹر محسن الاسلام فاروقی 25
میراث (ابن رشد) ارشد منصور غازی 27
پیش رفت ڈاکٹر عقیل احمد 32
لائٹ مائز 35
نام۔کیوں کیے؟ جمیل احمد 35
کچھ کھنڈل کے بارے میں عبدالودود انصاری 37
علم کیسیا کیا ہے؟ افتخار احمد 40
برق رفتار روشنی فیضان اللہ خاں 43
جین کاری کے غجزے باقر نقوی 46
انسائیکلو پیڈیا من چودھری 49
میزان محسن الاسلام فاروقی 51
رد عمل فضل ن۔م۔احمد 52
خریداری فارم ادارہ 55

پیغام

میں ایک عرصہ سے اسلم پرویز صاحب کی مساعی کو قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں۔ انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ہر فرد میں صلاحیتوں اور امکانات کی ایک دنیا مضمر ہے۔ یہ اس پر منحصر ہے کہ انھیں یکسوئی اور ریاضت کے ذریعہ بروئے کار لاتا ہے یا انھیں بکھر کر مٹ جانے دیتا ہے۔ اردو میں سائنس پر ایک ماہنامہ نکالنا، اسے ایک اچھے معیار پر چلانا اور عام بے حس کے دور میں اس کے لیے خریدار اور وسائل پیدا کرنا، دراصل جوئے شیر لانا ہے۔ اسلم پرویز صاحب نے یہ سب کچھ کر دکھایا۔ یہ ان کی نیاقت اور عزم باعزم کا نمایاں ثبوت ہے۔

”سائنس“ نے بہت جلد تخصیص کی دنیا میں قدم رکھ لیا ہے۔ جس کی گواہی وہ خاص نمبر دے رہے ہیں جو اب تک انھوں نے مختلف موضوعات پر نکالے ہیں۔ رسالہ اب اس منزل میں پہنچ گیا ہے جسے پرتولنے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جب طیارہ ہوا پٹائی پر کمر بستہ ہوتا ہے۔ یہ منزل دراصل سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان حضرات نے جن کے دل میں اردو کا درد اور سائنس کی قدر ہے، اس نازک موڑ پر فاضل مدیر کو اتنی کمک پہنچا دی، جس کی اس وقت ضرورت ہے تو ان کی مہم خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لے گی۔

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اردو والے اور مسلمان دونوں فی زمانہ علوم یا سائنس سے دور دور رہتے ہیں۔ ہر وہ کوشش جو انھیں علوم کے قریب لے جائے اور ان کے نقطہ نظر اور افادہ طبع کو سائنسی طرز فکر سے نزدیک کر دے، داد و امداد کی مستحق ہے۔



سید حامد



پودوں کے لٹیرے

ڈاکٹر جاوید احمد کا مٹوی، ناگپور

باشندے اور قبائلی ایسے ایسے نسخوں سے واقف تھے جو ناقابل علاج سمجھے جانے والے امراض کو بھی ٹھیک کر دیا کرتے تھے۔ یہ نئے آج بھی پشت در پشت نسلوں میں منتقل ہو رہے ہیں۔ نیم جیسا کرمانی پودا، متبرک تسمی (ریحان)، آم، تاریل، اڑوس، سدا بہار، اشوگندہ، بول اور نہ جانے کتنے پودے ہیں جو آج بھی مختلف مقاصد کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ بعض مخصوص دواؤں سے تو کینسر اور ایڈس

کے علاج کے دعوے کیے گئے۔ اسی طرح شباب آور اور مانع حمل خصوصیات رکھنے والے پودے بھی ان جنگلوں کی زینت ہیں۔ ہندوستانی ادویات کی ان کرشمہ سازیوں نے غیر ملکیوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ آج طبی (میڈیکل) ٹورزم ایک بڑی انڈسٹری کی صورت میں ملک کے لیے قیمتی درآمدات اور کماری ہے۔ خصوصاً کیرالا اور

جنوب و مشرق بعید کی ریاستوں میں ان اغراض کے لیے سیاحوں کا سلسلہ بڑھ گیا ہے۔ بنیادی طور پر دہلی اور دور دراز علاقوں میں قائم یہ محالجاتی مراکز اپنے مستقر سے بڑے شہروں میں منتقل ہو کر دیسی اور بدیسی دونوں کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس طریقہ علاج میں خالص نباتاتی تیلوں سے غسل، جسم کی مخصوص مالش اور قدرتی سے علاج (نچربیومی) خاصے مقبول ہیں۔

ہندوستانی شہر اور ہندوستانی جنگلوں میں اگنے والی جھاڑیوں اور بوٹیوں میں کیا مماثلت ہے؟ بظاہر کچھ نہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ ناپید ہوتی شیر کی نسل اور ادویاتی اہمیت کی یہ جھاڑیاں دونوں غیر قانونی شکار یوں کی حریفیں نکاہوں کے شکار ہیں۔ ان لٹیروں نے ان دونوں کے وجود کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

جنگلات اور پودوں کی اہمیت سے کون واقف نہیں! پودے انسانی زندگی کو صحت، خوش حالی امن و سکون اور مسرت و انبساط عطا کرتے ہیں۔ دراصل دیکھا جائے تو پودے ہی اس کڑے ارض کی بقا کے ذمہ دار ہیں۔ ہندوستانی نظام طب (آیورویڈ) ہزاروں برس پرانا ہے۔ انگریزوں کی آمد سے قبل عوام الناس کے لیے یہی جڑی بوٹیاں ہر علاج کا مداوا تھیں۔ آج بھی آیورویڈ اور طب یونانی کا سارا دار و مدار ان قیمتی پودوں پر ہے۔ اس لیے انھیں قدرتی دولت قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

پودوں پر ہے۔ اس لیے انھیں قدرتی دولت قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بطور خاص یہاں کی آب و ہوا میں اگنے والی یہ جڑی بوٹیاں ہندوستانی مزاج اور طبائع سے ہم آہنگ ہیں۔ کسی زمانے میں ملک کے طول و عرض خصوصاً ہمالیہ کے دامن، مشرق بعید کے جنگلات اور جنوب میں واقع پہاڑیاں اس قدرتی دولت سے مالا مال تھیں اور عام لوگوں کی دسترس سے دور نہیں تھیں۔ ان علاقوں کے اصلی



ذائقہ

ان کی دوبارہ کاشت سے انھیں کیا لیتا دینا۔ علاوہ ازیں ماحولیاتی توازن بھی اس لوٹ کھسوٹ سے درہم برہم ہو جاتا ہے جن سے موسموں میں بھی تغیر ہوتا ہے۔ یہ پودے صدیوں سے ہندوستانی ماحول کا حصہ رہے ہیں۔ مگر پچھلے چند برسوں میں ان کی لسٹوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے بلکہ یہ انواع ناپید ہونے کے خطرات سے دوچار ہو چکی ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق دنیا کی 750 انواع اس زمرے میں داخل ہیں اور ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ نے ان کو اپنی ”ناپید“ ہونے والی لسٹ میں شامل کر کے ان کے تحفظ اور کاشت کی جانب خصوصی رہنمائی اصول پیش کیے ہیں۔

ان پودوں کا یہ انجام انسان کی خود غرضی، لالچ، توسیع پسندی اور حکام کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ آبادیوں کے شہر یا نئے اور صنعتیائے کے عمل کے نتیجے میں جنگلوں کی اندھا دھند کٹائی ہوئی ہے۔ باندھ، سڑکوں، عمارتوں کی تعمیر کے لیے اور اب حال میں SEZ کے لیے قیمتی زرعی زمینوں

عالمی مارکیٹ میں نادر پودوں اور ادویات کی منہ مانگی قیمت نے لالچی افراد کو بڑے مافیاؤں (لٹیروں پڑھئے) کا آلہ کار بنادیا ہے۔

اور جنگلات کو صاف کیا گیا ہے۔ چراگا ہوں کے گھسنے سے بھی جنگلی جانوروں اور مویشیوں کی یلغار میں اضافہ ہوا ہے۔ اس پر مستزاد عالمی مارکیٹ میں نادر پودوں اور ادویات کی منہ مانگی قیمت نے لالچی افراد کو بڑے مافیاؤں (لٹیروں پڑھئے) کا آلہ کار بنادیا ہے۔ ان کی کاشت، پیداوار اور تحفظ کی جانب کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ان میں سے بعض پودوں کے عرصہ حیات خاصے طویل ہوتے ہیں یعنی ان کے کھل نمو کے لیے برسوں لگ جاتے ہیں۔ نمو کے مرحلوں کے دوران بھی ان پودوں کو بخشا نہیں جاتا اور یہ پودے طبعی عمر کو پہنچنے سے قبل ہی ان لٹیروں کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ ان کے تحفظ اور نشوونما کے لیے سرکاری سطح پر کچھ کوششیں کی جاتی ہیں اور مختلف اسکیموں کے ذریعے حکومت مالی امداد اور جھوٹ کے ذریعے ان کی باز کاشت میں کامیاب تو ہو جاتی ہے مگر ان کو اجازت دینے کی رفتار کہیں زیادہ ہونے سے یہ توازن چر بھر جاتا ہے۔ تعجب خیز امر

ہندوستانی دواؤں کی تیاری جب سائنسی طریقوں سے کی گئی اور ان کے اجزاء کی افادیت کو سائنٹیفک تناظر میں پیش کیا گیا تو متعصب مغربی معاشرہ بھی اس طرف متوجہ ہوا۔ جلد ہی ان کے شاطر دماغ نے ان کی تاثیر اور افادیت کو محسوس کر لیا۔ اسی لیے خالصتاً ہندوستانی نیم اور ہلدی اور دیگر کئی اشیاء کے پیٹنٹ حاصل کرنے کی جسارت بھی کی۔ ہندوستانی حکومت، ماہرین اور اطباء کی آنکھیں کھل گئیں چنانچہ ان اقدام کے تدارک کی فوری کوششیں کی گئیں۔

یوں تو بھارت نے گرم حصائے، ہاتھی دانت، صندل، ریشم وغیرہ کی درآمد کی تاریخ کافی پرانی ہے۔ شاہراہ ریشم (سلک روڈ) سے ہی اس تجارت کی اہمیت ہو رہی ہے۔ مگر پچھلے چند برسوں میں ان اشیاء کو غیر قانونی راستوں سے اسمگل کرنے کے ہاتھ بڑھ گئے ہیں۔ بڑے بڑے لٹیروں (مافیا)

اس میں سرگرم عمل ہیں۔ ان اشیاء میں ہاتھی دانت، صندل، ریشم، مختلف نوعیت کی جڑی بوٹیاں، جنگلی جانوروں کے اعضاء، کھالیں، سینگ وغیرہ کی بین الاقوامی مارکیٹ میں بڑی مانگ ہے۔ چین، جاپان اور مغربی ممالک میں تو ان کی منہ مانگی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ برچا گمبا (Yercha Gumba) نامی دوا جو جنسی امراض کے لیے اکسیر سمجھی جاتی ہے اس کی قیمت فی کلو ایک لاکھ روپے تک وصول کی جاتی ہے۔ سیلاجیت اور دیگر کم معروف ادویہ بھی عالمی مارکیٹ میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ادویاتی اہمیت کی حامل اور آرائش حسن کی اشیاء چوری چھپے دنیا کے ممالک میں پہنچتی رہتی ہیں۔ ”قزاقوں اور لٹیروں“ کا یہ گروہ منظم طور پر اس مال مفت کو بے دردی کے ساتھ اکٹھا کر کے سرکاری خزانہ کو خاصا نقصان پہنچاتا ہے۔ اس سے ملک کی معیشت کو جو نقصان ہوتا ہے، وہ تو اپنی جگہ، ان نایاب پودوں کی انواع دیرے دیر سے غائب ہوتی جا رہی ہیں۔ ظاہر ہے



ذاتیجست

رفتہ رفتہ جڑی بوٹیوں سے کلی طور پر جڑے اس طریقہ علاج نے اپنی عظمت منوالی۔ انگریزی دواؤں کے ضمنی اثرات اور نقصان نے کھوئے وقار کی بحالی میں مدد کی۔ اب ہندوستانی علاج کی طرف مراجعت ایک خوش آئند بات ہے۔ ماضی میں اس سرزمین پر ایسے حکماء اور وید پیدا ہوئے جن کے کارناموں سے تاریخ طب کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بھلا ہو حکیم اجمل خاں، حکیم عبدالحمید اور حکیم محمد سعید جیسے درجنوں فرزانوں کا جن کی پُر خلوص کوششوں اور خدمات نے عالمی سطح پر طب یونانی کی ایک شناخت قائم کر لی۔ کئی خاندان آج بھی پشتی نسخوں کو سیدہ درسیہ منتقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں مگر براہو ان ہوس پرستوں اور زر کے بھاریوں کا جنھوں نے نہ صرف من چاہی دولت اکٹھا کی بلکہ ان کی نسلوں کو صفرِ ہستی سے مٹا ڈالنے کے ذمہ دار بھی بنے۔ ظاہر ہے کہ کتنا اگر میٹھا ہو تو اسے پورا نہیں کھایا جاتا۔ انسانیت کے ان لیویروں نے ان پودوں کی نسلوں کو نہ صرف خطرے میں ڈال دیا بلکہ قدرتی ماحول کے توازن کو بھی متزلزل کر کے رکھ دیا جس کے اثرات ہم عالمی حدت، موسموں کے تغیر اور غیر یقینی موسم کی آمد کی صورت میں دیکھتے ہیں۔

کئی یونانی اور آیورویدک کیمپوں نے جدید تقاضوں کے مطابق اپنی مصنوعات کو سخت مقابلے میں کھڑا کر کے عظمت رفتہ کی بازیابی کی کوشش کی ہے۔ ان صاحبانِ فن اور اداروں کی بے لوث خدمات سے طب یونانی اور آیوروید کی کتابوں کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ آجے توقع کی جاسکتی ہے کہ حکومت اور علم دوست افراد کے تعاون سے یہ افراد اور ادارے نہ صرف اس لوٹ کھسوٹ سے اس عظیم فن کی حفاظت کریں۔ بلکہ نادر انواع کا تحفظ کر کے ان سے نئی نسلوں کو مستفیض ہونے کے مواقع فراہم کریں گے۔

عام لوگوں کی بھی سماجی ذمہ داری ہے کہ اس مہم میں ایک فعال رول ادا کریں۔ ●●●

تویہ ہے کہ سرکاری مشینری کے بجائے ان اسمگلروں کے پاس ان پودوں کی تمام تر تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔ لہذا وہ ان کا استحصال کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر اور قومی سطح پر ان انواع کے تحفظ اور بقاء و نمو کے لیے باقاعدہ اسکیمیں وضع کی گئی ہیں اور قوانین بنائے گئے ہیں۔ مخصوص علاقوں کے کاشتکاروں کو باقاعدہ تربیت اور مالی امداد دینے کا منصوبہ ہے تاکہ ان نسلوں کو نیست و نابود ہونے سے روکا جاسکے۔ عام بیداری بھی ان پودوں کی اہمیت کو اجاگر کر سکتی ہے جیسے اس ”یوم ماحولیات“ (۵ جون) کے موقع پر ناگپور کے رمن سائنس سینٹر نے ایک انوکھی نمائش کا اہتمام کیا۔ اس نمائش میں ادویاتی اہمیت کے حامل پودوں کی نمائش کر کے عام لوگوں تک ان کی افادیت و اہمیت ذہن نشین کروانے کی کوشش کی گئی۔ طلباء اور اساتذہ کو ان پر تحقیق کے لیے ابھارا گیا نیز کاشتکاروں کو ان کی کاشت کے لیے راغب کیا گیا۔

ایک زمانہ تھا، جب ان نایاب نباتات کے حصول کے لیے گھنے جنگلات یا ہمالیہ کی اونچائیاں کھگانے پڑتی تھیں۔ اب ان اقسام کو ”گرین ہاؤس“ میں اگانے کے انتظامات کیے جاتے ہیں۔ کسانوں کو مالی امداد اور رعایت بھی دی جاتی ہے۔ باہرین نباتات اور ادویات اس امر کا بطور خاص لحاظ رکھتے ہیں کہ ایسے پودوں کے سبھی حصے جڑ یا تھنا، پھل، ٹہنیاں، زیرے، پھول بلکہ ان کے ضمنی حاصلات جیسے گوند وغیرہ بھی ادویات کی تیاری میں پوری طرح استعمال ہوں۔

حکومت ہند نے ہندوستانی طریقہ علاج کے لیے الگ سے ایک محکمہ AYUSH کے نام سے قائم کر کے ان کی بقاء اور ترویج کی کوشش کی۔ ہے تاکہ آیوروید، یوگا، یونانی، سدھا اور ہومیوپیتھی سبھی طرح کے علاج کو ترقی کے مناسب مواقع دستیاب ہو سکیں۔

بھارت میں طب یونانی کا بھی آیوروید کی طرح شاندار ماضی رہا ہے۔ انگریزوں کی آمد کے بعد اسے بھی تحقیر کا سامنا کرنا پڑا۔ خود ہمارے مغلوب ذہنوں نے اس کے وقار کو کم کرنے کی کوشش کی۔ مگر



ایلو (گھیکوار)..... جنگل سے گھر تک

ڈاکٹر ریحان انصاری، بمبئی

ہے اور پر اعظم افریقہ سے قریب ہے۔ تاریخ میں درج ہے کہ سکندر اعظم کے فوجی جنگی مہموں میں جب زخمی ہو جاتے تھے تو ان کے زخموں کا علاج مشہور زمانہ طبیب ارسطو گھرائی میں ایلو سے ہی ہوتا تھا۔ ارسطو سکندر اعظم کا استاد بھی تھا۔ چنانچہ ارسطو نے سکندر کو جزیرہ ستوپرہ کو فتح کرنے اور یونانیوں کو وہاں بسانے کا حکم دیا تاکہ ایلو کا حصول اور زخمی فوجیوں کا علاج آسان تر ہو جائے۔ سکندر نے ایسا ہی کیا اور تاریخ میں ایلو کی نسبت سے بھی وہ اور ستوپرہ دونوں مشہور ہو گئے۔ ایلو کا عربی نام صبر ہے اسی لیے قدیم نسخوں میں صبر ستوپری کے نام سے درج ملتا ہے۔

ایلو کو انگریزی میں Aloe Vera کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ موٹے موٹے گودے دار چٹول والا پودا ہے جس کی لمبائی عموماً آدھ میٹر سے دو اور تین میٹر تک بھی پہنچ جاتی ہے اور بعض مرتبہ اس سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔ یہ پھولوں والے پودوں کی شاعت بلبی (Lily) سے تعلق رکھتا ہے۔ چوں کہ کنارے پر کانٹوں کی قطار پائی جاتی ہے۔ جب پودے کی عمر چار برس سے اوپر ہوتی ہے تو اسے دوئی اور قند یہ کے لحاظ سے بہتر مانا جاتا ہے۔ چوں کہ آڑی تراش میں چار اہم صورتیں نظر آتی ہیں۔ بیرونی قشر یا جھلکا (Rind) جو اندرونی حصہ کی دھوپ اور قنات سے حفاظت کرتا ہے۔ اس کے بعد رس (Sap) جو پانی جیسی کیفیت رکھتا ہے اور اس میں کئی تلخ (کڑوے) اجزاء ملتے ہوتے ہیں۔ اسی کڑواہٹ کی بنا پر یہ جانوروں سے محفوظ رہتا ہے۔ تیسری شے لعابی مغز ہے جو سب سے اندرونی اور اہم حصہ Gel (جیلی) کو گھیرے رہتا ہے۔ یہی جلی ہے

گھیکوار کے پودے کی عجب شان ہے۔ جنگلی پودا ہے لیکن گھروں میں بھی بڑے جتن سے اسے اگایا جاتا ہے۔ باغات سے لے کر گملوں تک میں۔ زیبائشی طور پر بھی اور دوائی غرض سے بھی۔ یہی زیبائشی اور دوائی غرض اس کے استعمال کے ساتھ بھی موجود رہتی ہے۔ قدرت نے اس میں بڑے گمن رکھے ہیں۔ اس کے طبی استعمال اور خواص کا مطالعہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح دور سے عام ہے۔

اس کا امتیاز یہ ہے کہ اسے جدید دور میں حسن و زیبائش والے سب سے زیادہ چاہئے گئے ہیں کیونکہ یہ جلد کے متعدد عوارض و امراض کے لیے اکسیر ہے نیز حسن افزا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ خارجی استعمال میں اس کا معمولی سا بھی مضر اثر نہیں ہوتا۔ اس کے فوائد کے پیش نظر کئی لوگوں نے تو یہ تک کہنا شروع کر دیا ہے کہ کسی بھی جلدی مرض کی تشخیص اور دوا کا پتہ نہ چل رہا ہو تو اسے ایلو کے حوالے کر دو یہ اسے ٹھیک کر دیتا ہے! جب سے یہ کاروبار حسن افزائی (کاسمیٹولوجی) میں پسندیدہ ہوا ہے تب سے اس کی کاشت کا خصوصی اہتمام ہونے لگا ہے، بڑے بڑے باغات میں اگایا جا رہا ہے اور کئی دوا سازوں نے انٹرنیٹ کے ذریعہ اس کی فروخت کا پیمانہ پورے عالم میں بنالیا ہے۔

گھیکوار کی جدا جدا تقریباً چار سو (400) قسمیں ہیں لیکن فوائد کے اعتبار سے کم و بیش سب یکساں ہیں۔ البتہ ماضی میں جزیرہ ستوپرہ (Socotra) کا گھیکوار سب سے عمدہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے مشہور ہونے کی بھی عجیب داستان ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جو بحر ہند میں صومالیہ اور یمن ممالک کے درمیانی سمندر میں واقع



ذائجسٹ

پایا گیا ہے۔ مہاسوں اور دھوبی پاؤں نیز الرجی (Herpes) جیسی حالتوں میں بھی اس کے بڑے فائدے نظر آئے ہیں۔ ذیابیطس کے مریضوں میں خصوصی استعمال کا اہتمام کر کے فائدہ اٹھایا گیا ہے کیونکہ اس میں کیلشیم، سوڈیم، ٹانپہ اور جرت جیسی معدنیات پائی جاتی ہیں۔

ایلو اکی چپوں میں 75 (پچھتر) اجزاء یا اس سے بھی زیادہ پائے جاتے ہیں جن کے طبی فائدے تسلیم شدہ ہیں۔ انسانی بدن کو بائیس قسم کے آکسائیڈز کی ضرورت ہوتی ہے جو جسم میں گوشت کی پیداوار کا بنیادی جز ہے۔ اور ایلو اکی کے اندر ان میں سے بیس امانسو ایسڈ موجود ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ایلو اکی تقریباً تمام ہی وٹامن (حیاتین) پائے جاتے ہیں علاوہ ازیں بدن کو اندرونی طور پر بچائے رکھنے والے حیاتین C، A اور E کے علاوہ کئی دوسرے وٹامن بھی پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایسے اجزاء (Lignin) اور انزائم بھی پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے ایلو اکی جلد کے اندر آسانی سے سرایت کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے مراہم بہت مقبول ہیں۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ایلو اکی کا داخلی استعمال زیادہ عرصہ تک کیا جائے تو بواسیر (Haemorrhoids) ہونے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔

جو سن افزائی کے کاروبار کا اصلی جوہر ہے۔ لیکن دوائی استعمال میں ایلو اکی تقریباً ہر حصہ آتا ہے۔

ایلو اکی استعمال خام (بغیر کسی خاص تیاری) بھی ہوتا ہے اور پرویس کر کے بھی کیا جاتا ہے۔ صرف گودا بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی کریم، لوشن، بیلیٹ اور کپسول کی شکل میں بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن خام گودے کے علاوہ جتنے بھی پروسیسنگ اور استعمال ہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایلو اکی کا فائدہ کسی قدر کم ہو جاتا ہے۔

ٹھیکواریک ہمہ جہت طبی فوائد کا حاملہ پودا ہے۔ اس کے خارجی اور اندرونی استعمال ناقابلِ تغافل ہیں۔

ایلو اکی کا اندرونی استعمال صرف طبیب کی نگرانی میں کرنا چاہئے۔ جو لوگ بڑی آنتوں کی کمزوری (Irritable Bowel Syndrome) (قولون ہیجانی) یعنی کچھ بھی کھانے یا پینے کے فوراً بعد دست کی حاجت محسوس ہونا اور اس کے نتیجے میں چکنے سے معمول آنے کے مرض آنے میں مبتلا ہیں انہیں ایلو اکی کے مرکبات سے فائدہ ہوتا ہے۔ بدن سے فاسد رطوبات کے اخراج میں ایلو اکی مفید ہے۔ قبض کشا ہے۔ مسہل ہے۔

جراثیم کش اثرات کی وجہ سے جلدی امراض میں خوب مستعمل ہے۔ کیڑوں کے کاٹنے، آبلے، چھالے پڑنے، جلنے کٹنے سے ہونے والے زخموں پر نیز ایکو یا اور سورائس میں بھی مفید

جب آپ کے بال گتھے کے ساتھ گرنے لگیں تو..... آپ مایوس نہ ہوں

ایسی حالت میں نسرینا ہیر ٹانک کا استعمال شروع کریں۔



Mfd. by: **NEW ROYAL PRODUCTS**

21/2, Lane No. 7, Friends Colony Indl. Area,
G.T. Road, Shahdara, Delhi-95 Tel.: 55354669

Distributor in Delhi:

M. S. BROTHERS
5137, Ballimaran, Delhi-6
Phone: 23958755



یہ بالوں کو وقت سے پہلے سفید ہونے اور گرنے سے روکتا ہے۔



شانِ خدا۔ سیرِ کائنات

فضل۔ ن۔ م۔ احمد ریاض

میں ہندوستانی فلمیں بھی کی فلمیں آنے لگی اور نئی تفریح کی وجہ سے بچہ مقبول تھیں۔ یہ بھی مار دھاڑ سے بھر پور ہوتی تھیں۔ ضروری مکالمے اردو میں لکھ کر آتے تھے۔ مغلوں کے آخری دور سے برٹش راج تک ہندوستان کی عام زبان اردو تھی۔ جو انگریز حکومت کی ملازمت پر یا ملٹری میں آتا تھا اسے اردو سیکھنا لازمی تھا۔ 1945ء تک سکول اور کرسی نوٹوں پر صرف انگلش اور اردو ہی میں لکھا رہتا تھا۔ 1946ء

میں جب ملک کی تقسیم یقینی ہو گئی تو اردو کی جگہ ہندی نے لے لی۔

گو اردو زبان عام تھی مگر سارے ہندوستان میں پڑھائی نہیں جاتی تھی۔ اس لیے سینما کے پردے پر اردو پڑھنے کے لیے ایک شخص مقرر ہوتا تھا جو زور دار آواز میں مکالمے پڑھتا تھا۔ مثلاً ”خبردار جو آگے بڑھنے کی کوشش کی تو“۔ دوسرا جواباً کہتا ”تیری گردن اڑا جاتا ہوں“

وغیرہ۔ لطف اس وقت آتا تھا جب کوئی مزاحیہ مکالمہ آتا تھا۔ اردو جانے والے پہلے ہنستے تھے اور جب زور سے پڑھا جاتا تو باقی سنیما ہال ہنس پڑتا تھا۔ غرض کہ دو دفع ہنسی سنائی دیتی تھی۔ آدھے وقت پر چندہ منٹ کا انٹرول ہوتا تھا۔ فوراً نکلے میں لٹکائے خوشچے والے داخل ہو کر آواز لگانے لگتے ”پان بیڑی ماچس سگریٹ“ یا ”مگر ماگرم چائے“ وغیرہ۔ ساتھ ہی اسٹیج پر ایک چمچہ بیگم نمودار ہو کر میوزک کے

یہ عنوان میں نے 1930ء کے عشرے کی ایک ہندوستانی فلم ”شانِ خدا سیرِ پرستان“ سے لیا ہے جس میں ایک شہزادہ پریوں کے دیس جاتا ہے جہاں اس کا عشق پریوں کی شہزادی سے ہو جاتا ہے اور فلم کا اختتام برطانیہ کی شہزادی مارگریٹ یا شہزادی ڈیاناکے المیہ کے بجائے ان کی شادی پر ہوتا ہے جس سے ناظرین خوشی خوشی گھر چلے جاتے ہیں۔ فلموں کی ایجاد جس سے ہمارے علماء شروع شروع میں

ناراض تھے سائنس کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ جس طرح کائنات کی ایک باضابطہ تاریخ ہے اسی طرح فلمی دنیا کی بھی ایک باضابطہ تاریخ ہے۔ لہذا کال ٹیک امریکہ کے فن مان (Feynman) کا طریقہ، مجموعہ تاریخی سرگزشت (Sum-over Histories) دونوں کے لیے پلائی کر کے دیکھتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟

شروع میں جب فلمیں

یورپ اور امریکہ سے آتی تھیں تو بے آواز تھیں۔ پہلے بڑے شہروں میں مثلاً بمبئی، کلکتہ، دہلی اور مدراس وغیرہ میں آتی تھیں۔ دو چار سال بعد اندرونی شہروں میں پہنچتی تھیں۔ چونکہ آواز نہ تھی تو سنجیدہ فلمیں بغیر مکالمے کے بے معنی تھیں۔ اس لیے زیادہ تر فلمیں ایکشن فلمیں مار دھاڑ والی ہوتی تھیں۔ کوئی ضروری مکالمہ ہو تو انگلش میں لکھ کر آ جاتا تھا۔ ایسی فلموں کو مقامی زبان میں ”سٹی“ فلمیں کہا جاتا تھا۔ بعد



دانش

وقع نزاع آکر بالیس پر مری
تم نے اور انجمن میں انجمن ڈال دی

اسی طرح ایک سوشل فلم تھی جس کا نام یاد نہ رہا۔ اس میں ایک
غزل کی لے اور طرز اتنی خوبصورت تھی کہ ہر گھر، ہر محفل اور ہر فنکشن
میں ضرور گائی جاتی تھی۔ اس غزل کا بس ایک مصرعہ یاد رہ گیا۔

لبریز ہو چکا ہے پیمانہ زندگی کا

اسی بحر میں اسکول کے لڑکوں نے ایک مزاحیہ شعر بتا ڈالا۔

ہو تو گئے ہیں بوڑھے پر چاہتے ہیں جینا

روپے میں رہ گیا ہے ایک آنہ زندگی کا

ایک اور جادو کی فلم تھی جس کا نام تھا 'شانِ خدا سیر پرستان'۔
اسی کی طرز پر میں نے اپنے اس مضمون کا نام رکھا ہے۔ آواز کی وجہ
سے فنی گانوں اور موسیقی میں بھی ترقی ہونے لگی۔ سبگل، کانن بالا،
شمشاد، نور جہاں اور ثریا وغیرہ کے نام ابھر آئے۔ تاریخی فلم 'نکار' سے
فلم انڈسٹری نے ایک نیا موزا لیا۔ اس کی کہانی کمال امر وہی نے لکھی
تھی۔ اس میں پری چہرہ نسیم نے ملکہ نور جہاں اور چندر موہن نے
شہنشاہ جہانگیر کے رول ادا کیے تھے۔ اس فلم کا نعرہ (Moto) تھا، خون
کا بدلہ خون یہی جہانگیر کا انصاف ہے۔ 1940ء جنگ کے زمانے
میں یہ فلم اتنی اچھی فلم تھی کہ آج بھی کسی ہالی وڈ کی معیاری فلم
سے کم نہیں۔ جس سینما میں گنتی تھی ہفتوں چلتی تھی۔ اگر اسے ٹیلی ویژن
میں پرنٹ کر لیا جائے تو رنگین فلم مغل اعظم سے کہیں زیادہ دیدہ
زیب ہوگی۔

فلمی تاریخ کے ساتھ ساتھ فلمی غزلوں اور فلمی موسیقی کی
تاریخیں بھی داہست ہیں۔ میوزک ڈائرکٹر غلام علی نے ان ٹیکنیکلر کو
موقع دیا۔ بعد میں کمیش نے ان کو میوزک ڈائرکٹر نوشاد سے متعارف
کرایا جنہوں نے اس کی سرلی آواز کو بہت پسند کیا۔ اس کے بعد
سے لڑکی آواز میں چار چاند لگ گئے۔ کمال امر وہی کی لکھی ہوئی فلمی
کہانی 'محل' کا گانا 'آئے گا آنے والا' اس قدر مقبول ہوا کہ بس

ساتھ اپنے تاج سے ناظرین کو محفوظ کرتیں تاکہ کچھ تو تفریح رہے۔

بعد میں انگلش فلموں میں آواز آنے لگی جنہیں مقامی زبان
میں 'بولتی فلم' کہا جاتا تھا۔ یہ فلمیں بھی زیادہ تر ایکشن فلمیں ہوتی
تھیں۔ جنگوں کے، مارز اور جنگوں یا جزیروں کے پلاٹ ہوتے
تھے۔ ایک فلم غازی صلاح الدین دیکھنے میں آئی۔ ہم بچے تھے اس
لئے انگلش مکالمے سمجھ نہ سکے مگر جاننے والوں نے بتایا کہ یہ بالکل غیر
متعصب فلم تھی جس میں غازی صلاح الدین اور جردو دونوں کو بہادر
اور با کردار بتایا گیا تھا۔ بعد میں اردو فلمیں بھی بولتی آنے لگیں جن
میں فلم کی کہانی بھی اچھی طرح سمجھ میں آتی تھیں۔ مگر اب بھی زیادہ تر
فلمیں ماروہاڑ، جنگ اور جادو کی ہوتی تھیں۔ اس زمانے کے ایک
ایکشن ہیرو تھے جن کا نام ماسٹر مغل تھا۔ یہ جب دس پندرہ
سپاہیوں سے لڑتے ہوئے نرمے میں آجاتے تو فوراً ایک کر دس
منزلہ عمارت کی چھت پر جا بیٹھتے۔ سپاہی سیز جیوں سے چڑھ کر پھر
انہیں جا گھیرتے۔ وہاں مگر کروہ قلابازی (Dive) لگا کر نیچے زمین پر
صبح سلامت آجاتے۔ مارز کی فلم کے ایکشن ہیرو کا نام جابن
کاؤس تھا۔ ایک ایکشن ہیروئن مس ناڈیا اور دوسری امداد بالا تھیں جو
ماسٹر مغل کی طرح کی فلموں میں آتی تھیں۔ ان کی فلموں کی ایک
خاص بات یہ تھی کہ تفریح کی خاطر ایک قوالی ضرور ہوتی تھیں۔ میں
قوال کا نام بھول رہا ہوں۔ شاید ماسٹر کا لوقوال ہوں جن کی قوالی
مگر امونوں ریکارڈ کی شکل میں بکتی تھیں۔ ان دنوں فلمیں عام طور پر
مسلم سوشل ہوا کرتی تھیں۔ ایک فلم وطن تھی جس میں جہاد بتایا گیا
تھا۔ اس کی ایک قوالی کے دو اشعار یاد رہ گئے۔

کہتے ہیں پیٹ جس کو دوزخ کا ہے خزانہ

خالی ہو جب یہ خالم چلتا نہیں بھانہ

ہوتا نہ پیٹ تو کیوں سنتا کوئی کسی کی

چلتا ہے سب اسی سے قدرت کا کارخانہ

ایک فلم جان عالم انجم آرا تھی۔ یہ ایک شہزادے شہزادی
کے عشق کی داستان تھی۔ اس کی ایک خوبصورت قوالی کا ایک شعر
یاد رہ گیا۔



ڈائجسٹ

ہیں۔ مگر اب بھی 1940ء سے 1960ء کی موسیقی، گانے اور ان کی طرز سے روح پھڑک اٹھتی ہے۔ ساتھ ہی 1930ء کے عشرے کی مار دھارتی ٹیکنک (Special Effects) سے شامل کر دی گئی ہے۔ مثلاً ہیرودس ہندو سے لڑتے ہوئے سب کو ٹھکانے لگا دیتا ہے مگر اس پر ایک خراش تک نہیں آتی۔ ہیرودس دشمن (Villain) لڑتے ہوئے پانچ منز لے سے مگرتے ہیں مگر کوئی زخم نہیں آتا اور پھر اسی جوش و خروش سے لڑتے گتے ہیں۔ گویا 1930ء کا عشرہ لوٹ آیا ہے۔

چونکہ ہر بیس سال میں ایک نسل (Generation) کا فرق آ جاتا ہے جس کے ساتھ قدریں اور رجحان (Taste) بھی بدل جاتے ہیں اس لیے موجودہ نوجوان نسل ان گانوں اور ناچ کی دل دادہ نظر آتی ہے۔ ہر فلم میں آٹھ دس ڈانس اور اتنی ہے مار دھارتی ضروری ہے۔ گو ان فلموں میں اب بھی اردو کا پلڑہ بھاری ہے مگر آہستہ آہستہ ہلکا ہوتا جا رہا ہے۔ لہذا تاریخی سرگزشت سے پتہ چلا کہ جس ملک میں یہ پیدا ہوئی بڑی اور پروان چڑھی وہیں اس کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ سائنسدان پرندو جانور وغیرہ کی نسل بچانے اور بڑھانے کے منصوبوں پر کام شروع کر دیتے ہیں اسی لیے اردو کے چند خیر خواہ جس میں رسالہ سائنس (اردو) دہلی بھی شامل ہے دن رات کوشاں ہیں کہ کسی طرح اردو کی معدومیت کو روکا جائے۔ آگے اللہ مالک ہے۔

اس فلمی تاریخی سرگزشت کے بعد کائنات کی تاریخی سرگزشت کی طرف آتے ہیں۔ زمین چٹنی سے گول اور بیج دوسرے کو اکب کے سورج کے گرد گردش نے نظام شمسی کو جنم دیا۔ باقی تمام نظر آنے والے ستاروں سمیت یہ ایک اور بڑی فیملی کے ممبر ہیں جسے کہکشاں یا گلیکسی کہتے ہیں جو سورج سے چھوٹے بڑے اربوں ستاروں کا مجموعہ ہے۔ علم کے ساتھ جب دور بیٹوں کی طاقت بڑھی تو پتہ چلا کہ ہمارے چاروں طرف کیے بعد دیکھ کر ان گنت گلیکسیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو ایک دوسرے سے دور ہوتی جا رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ کائنات بذات خود پھیل رہی ہے۔

ان مشاہدات کو سمجھنے کے لیے قوانین قدرت کا مطالعہ ضروری تھا۔ مختلف مدارس خیال کی ناکامی کے بعد ریاضیات اور فزکس نے

فلموں میں لٹا ہی لٹا کی آواز تھی۔ یہ فلم انڈیا کی پہلی عمدہ خیر (Suspense) فلم تھی۔ نوشاد کے علاوہ دیگر مشہور میوزک ڈائریکٹروں کی دلفریب موسیقی میں آواز چسپاں کرنے کی ضرورت کے لیے اردو شعراء یو پی دہلی پنجاب، راجستھان اور حیدرآباد سے اٹھ کر بھی آ گئے جن میں ٹیکل بدایونی، مجاز لکھنوی، کیفی اعظمی، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، مفرق گورکھپوری اور حسرت بے پوری وغیرہ شامل تھے۔ ان سب کے ملاپ نے انڈین فلموں کی تقدیر ہی بدل ڈالی۔ لٹا کے ساتھ آشا، گیتات، بکیش، رفیع، طلعت محمود اور سمیت کمار وغیرہ کی آوازوں نے فلمی دنیا میں دھوم مچادی۔ سب سے زیادہ لٹا کی آواز پسند کی جاتی تھی جو ہندو پاک میں ہر جگہ گونج رہی تھی۔ مرزا غالب نے اردو کو اردو داں طبقے تک پہنچایا مگر لٹا کی سریلی آواز نے اردو کو ہندو پاک کے کونے کونے تک پہنچا دیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ غالب کا یہ شعر آئندہ زمانے کے لیے لٹا ہی کے لیے لکھا گیا ہو۔

دھونڈے ہے اس مٹنی آتش فوس کو جی

جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے

یوں معلوم ہوتا ہے کہ ادب ہو یا میوزک یا سائنس سب میں مرزائی ٹانگ اڑائے ہوئے ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد تعصب نے اردو کو گھیرا۔ ہند میں فلمیں کسی اور زبان میں بنائی جاتیں تو پورے ملک میں چل نہ سکتی تھیں اس لیے ہر فلم کی کہانی یا پلاٹ کشمیر کے اس حصے کی طرف موڑ دیا گیا جو ہند میں تھا کیونکہ وہاں کی سرکاری زبان اردو تھی۔ باقی جہاں اس نے جنم لیا تھا یعنی یو پی دہلی پنجاب بھوپال حیدرآباد وغیرہ سے اس کی سرکاری حیثیت ختم کر دی گئی۔ بعد میں فلموں کے رویے میں تبدیلی آئی۔ دوسرا فرنٹ شاعروں کی غزلیں لٹا اور دوسروں کی سریلی آوازوں اور ہند کی تاریخی موسیقی کے خلاف کھلا۔ ہند کی کلاسیکی موسیقی، شاعری اور قص کی جگہ مغربی موسیقی ہو پا تک ہندی گانوں اور پبلک جمناسٹک ناچوں نے لے لیا ہے جو عورتوں کے آدھے ننگے جسم اور آپس میں لپٹ جھپٹ سے بھرے رہے



میدان سنبالا۔ کلاسیکی فزکس مشاہدات اور تجربات کے نتائج سمجھانے سے قاصر تھی۔ بڑے پیمانے پر نظریہ اضافی اور چھوٹے پیمانے پر کوانٹم میکینکس کافی کامیاب رہے مگر اب تک پوری طرح عقدہ حل نہ ہوا۔ ان فیلڈس میں جوں جوں ترقی ہوتی گئی کائنات عجیب سے عجیب تر ہوتی گئی۔ کوانٹم میکینکس مشاہدات و تجربات کو گو خلاف عقل سمجھاتی ہے مگر جوابات صحیح مہیا کرتی ہے۔ لہذا اس کا نفرو ہے کہ قدرت کو خلاف عقل مان لو۔ کیا کوئی سمجھدار انسان کوئی خلاف عقل بات ماننے کو تیار ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ تو یہ سائنسداں کیا بکواس کر رہے ہیں؟ یاد رہے کہ سائنسداں اوٹ پٹا تک بات نہیں کرتے۔ ان کے قول کا انحصار حقیقت پر ہوتا ہے۔ ان کا اشارہ اس مصرعے کی طرف ہے جسے ہر کسی نے سنا یا پڑھا ہوگا۔

عقل ہے جو تماشا ہے لب ہام ابھی

ان کا یہ مطلب ہے کہ کائنات یا قدرت کی آخری حقیقت انسان کی محدود عقل سے بالاتر ہے۔ یہی دعویٰ ہائزن برگ کا اصول غیر یقینی کرتا ہے جو مجھے اصول غیب کا ایک پہلو نظر آتا ہے۔ انسان بھول جائے جو کائنات کی ایک مخلوق ہے کہ ہر گتھی سمجھا سکے گا چہ جائیکہ خالق کی ذات۔

اب آئیں قانون تاریخی سرگزشت سے کائنات کی مقداروں (Parameters) کی ہاریکیوں کا مطالعہ کریں۔ الیکٹران اور پروٹان میں ایک خاص قسم کے چارج اور کتنے ہوتے ہیں جن کی قیمت مرتبہ، ستارے، گلیکسی یا کائنات میں کسی جگہ نہیں بدلتی۔ ان میں ذرا سی کمی یا زیادتی سے ہائیڈروجن ایٹم میں الیکٹران یا تو مدار سے باہر ہو جائے گا یا پروٹان غنڈران بن جائے گا۔ ہمیں یہ بھاری عناصر نہ بن سکیں گے۔ لہذا ستارے گلیکسی نہ ہوں گے اور نہ زندگی نہ ہوگی۔ اتنی بڑی کائنات ویسی نہ ہوگی جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ اسی طرح عقل میں ذرا سی کمی یا زیادتی سے ہائیڈروجن ایٹم ناپید ہو جائیں گے۔ زندگی ناممکن ہو جائے گی اور کائنات بالکل بدل جائے گی۔ اگر امیٹراک نیوکلیر فورس ذرا کمزور ہو جائے تو ایٹموں میں سے پروٹان غنڈران باہر ہو جائیں گے اور کوئی بھاری ایٹم نہ بن سکیں گے۔ اگر یہ فورس ذرا سا زیادہ ہو

جائے تو ستارے جلد جل کر ختم ہو جائیں گے اور زندگی پیدا نہ ہو سکے گی۔ کائنات ہمارے بھی نہ رہے گی۔ اگر ایک فورس میں ذرا کمی زیادتی کی جائے تو کائنات بدل جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کائنات کے کسی بھی طبیعی ثابت (Physical Constants) میں ذرا سی بھی تبدیلی کی جائے تو ستارے نہیں بنیں گے۔ کائنات تیزی سے پھیل کر خلاء میں تبدیل ہو جائے گی۔ ڈی این اے نہ بن سکیں گے۔ کائنات کی ہر شے نچھوڑ کر رہ جائے گی۔ زندگی ناممکن ہوگی۔ ذرا سی تبدیلی سے کائنات بدل جائے گی۔ یہ سب بتاتے ہیں کہ کائنات کے فزیکل اثبات انتہائی مہین طریقے سے ترتیب دئے گئے ہیں۔ انگلش میں Physical constants are so finely tuned ہوتی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا یہ محض اتفاق ہے یا اس کے پیچھے کوئی نہیں ہاتھ (Grand Design) ہے؟ قرآن اس کا بہت اچھا جواب دیتا ہے۔ "کیا تو دیکھتا ہے زمین کے بنانے (کائنات) میں کچھ فرق۔ پھر نگاہ ڈال۔ کیا تجھے کہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر نگاہ ڈال دوبارہ۔ وہ لوٹ آئے گی واپس تیرے پاس تھک کر اور کوئی بد نظمی نہ ملے گی۔ (سورہ ملک 3 اور 4)۔ قرآن کے اس دعوے کو سائنس نے ثابت کر دیا کہ فزکس کے اثبات (Constants) کی ذرا سی تبدیلی موجودہ کائنات کو بدل کر رکھ دے گی جس میں زندگی اور ذہن کا وجود ناممکن ہوگا۔ سبحان اللہ۔ حیرت ذات پاک و کامل ہے اے پروردگار۔ یہ تو ہوا ایک کائنات (Universe) کا تصور۔ اب اگر ان گنت کائناتوں (Multiverse) کا نظریہ لیں جو زور پکڑتا جا رہا ہے اور جن میں فزکس کے ان گنت قوانین بھی مختلف ہیں تو اللہ کی عظمت اور آفکارہ ہو جاتی ہے۔ اللہ کی شان خداوندی انواع (Varieties) میں ہے۔ سورہ فاتحہ کی پہلی آیت لیں جس میں اللہ کو عالمین کا رب بتایا گیا ہے۔ چونکہ میں نہ تو عربی زبان کا اسکالر ہوں نہ شریعت کا اس لیے عالمین کے صحیح معنی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اگر عالمین کا مطلب بہت سی کائناتیں لیا جائے (یاد رہے اگر پرزور ہے) تو دعوے سے کہا جاسکتا



ذائقہ جست

قسم کا خدا ہوا جو کائنات کو ہمارے بغیر دیکھ نہیں سکتا؟ آسٹریلیا کے ڈاکٹر بین گرین جنہیں میں نے لیڈر دور بین کا فحیدک دیا تھا جواب ریاض میں کام کر رہے ہیں انہوں نے آسٹریلیا میں مجھ سے کہا کہ خدا کو مستقبل کا علم نہیں ہو سکتا۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ وہ مجھ کو قسم کا خدا ہوا تو کہنے لگے کہ خدا کو مستقبل قریب کا علم ہو سکتا ہے مگر بعید کا بالکل نہیں۔ ہم اللہ کو عالم الغیب ماننے ہیں کہ جسے لامتناہی ماضی سے لامتناہی مستقبل کے ہر لمحے اور ہر نقطے کا پورا پورا علم ہے۔

کیمبرج کے اپاچ سائنس دان اسٹیفن ہاکنگ جو اصولی غیر یقینی کے زبردست ماننے والے ہیں کہتے ہیں کہ خدا بھی کسی ذرے کی پوزیشن اور رفتار بیک وقت معلوم نہیں کر سکتا۔ اگر ہم قدرت کی چار قوتوں (الیکٹرو، ویک، اسٹریٹک اور ثقل) کو ایک اسکیم میں پر ویس لگے تو پھر خدا کا دماغ پڑھ سکیں گے۔ خالق اور مخلوق کا کیا موازنہ ہو سکتا ہے؟ وہ خدا کیا ہوا جسے اپنے مخلوق کا علم نہ ہو۔ وہ ایسے خدا کا دماغ یقیناً پڑھ سکیں گے۔ مگر جب مخلوق (کائنات) کا مکمل علم انسانی عقل سے باہر ہو تو خالق کا دماغ کیوں کر پڑھا جا سکتا ہے؟

سب سے اچھا اللہ کا تصور اسلام میں ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک قادر مطلق اور عالم الغیب ذات ہے۔ ایسی ہستی کی صفات تو سمجھ میں آسکتی ہے مگر اس کی ذات پر بحث ناممکن ہے۔ لہذا اگر اسے ماننا ہے تو بے دلیل مانا جائے کیونکہ اس کی ذات انسانی محدود عقل سے باہر ہے۔ ایسی حالت میں وہ بندوں سے غافل نہیں ہو جاتا بلکہ ان کی رہنمائی الہامی کتابوں رسولوں اور نبیوں سے کرتا ہے نہ کہ جھوٹے نبیوں سے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد باقی سب تاریخ ہے اسلام نہیں۔

ہے کہ قرآن کا اشارہ مٹی درس کی طرف ہے جس میں جنت اور دوزخ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جنت میں انسان جوان جائیگا اور سدا جواب رہے گا جو ہماری کائنات میں ممکن نہیں۔ اسی طرح دوزخ میں اس قدر تکلیف و عذاب کے باوجود زندہ رہے گا جو ہماری کائنات میں ناممکن ہے۔ یعنی تینوں کے فزکس کے قوانین مختلف ہوں گے۔ میری دانش میں عالمین کا اشارہ مٹی درس کی طرف ہے۔ باقی واللہ اعلم۔

اب رہ جاتا ہے سوال کے آخر کائنات ہے کیوں اور اس سے بھی بڑھ کر اس میں ہم کیوں ہیں؟ اس میں سائنسدانوں کے خیالات میں کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بہت سوں کا خیال ہے کہ کائنات اور اس میں ہم محض بہت سے حادثوں یا اتفاقات کا نتیجہ ہیں۔ باقی سمجھتے ہیں کہ یہ کسی گریڈڈ ڈیزائن کا کارنامہ ہے مگر ان کے اللہ کا تصور الگ الگ اور عجیب ہے۔ مثلاً آسٹریلین نیکیجیم کے فلسفی اسپائی نواز کے خدا کو ماننا تھا جس نے منصور کے الہامی کے دعوے کو دوہرایا تھا یعنی کائنات بذات خود خدا ہے۔ آسٹریلین سے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ وہ اسے خدا میں اعتقاد نہیں رکھتا جو کائنات کا کارپینٹر ہے اور انسانوں کی تقدیر بناتا ہے۔ وہ زندگی بعد از موت اور آخرت کے حساب کتاب کا بھی قائل نہ تھا۔ برطانیہ کا مشہور ماہر فلک فریڈ ہائل جس نے لفظ بگ بینک اختراع کیا تھا کہا کرتا تھا کہ جو کچھ چرچ میں ہوتا ہے وہ اس کا قائل نہیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ہم سب میں تھوڑا بہت خدا پایا جاتا ہے اور وہ کائنات کو ہمارے تھوڑے دیکھتا ہے۔ یہ کس

نقلی دواؤں سے ہوشیار رہیں

قابل اعتبار اور معیاری دواؤں کے تھوک و خرده فروش



110006۔ 1443 بازار چٹلی قبر، دہلی۔

2326 3107, 2327080 فون

ماڈل میڈیکس

ماڈل میڈیکس



آم (قسط: 3)

ڈاکٹر امان میسور

(Styptic) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ شہد کے ساتھ ایک سے دو گرام نرم تخم سفوف ملا کر بچوں میں معاء مستقیم کے ہاہر سرک آنے، پیچش، دست اور مقعد کی مسلسل کھلبلی کے لیے بطور علاج دیا جاتا ہے۔ ناک سے خون کے رساؤ کو روکنے کے لیے تخم سفوف کا رس سونگھا جاتا ہے۔ سانس کی تکلیف کے علاج اور Tropical Eosinophilia کم کرنے کے لیے 10 گرام آم کی بجنی ہوئی تخم سفوف کا سفوف شہد کے ساتھ ملا کر پہلے ایک یا دو ماہ تک دیا جاتا ہے اگر اس دوا کے ساتھ آدھا چمچ ہدی پاؤڈر ملا کر استعمال کیا جائے اور ساتھ میں کسی طبیب کی زیر نگرانی 50 ملی گرام کی گولی Hetrezen- Lederle دے دیں

مرتبہ لی جائے تو ایسی کیفیات کے لیے یہ مخصوص علاج ہے۔ ایک ماہ تک روزانہ ایک مرتبہ آدھا چمچ بجنی ہوئی تخم سفوف پانی کے ساتھ استعمال کرنا جسنی قوت برداشت میں اضافہ کرتا ہے اور جریان (Spermatorrhoea) کا علاج کرتا ہے۔

آم کی تخم سفوف سے ایک موثر کالی میسر ڈائی (Hair Dye) مندرجہ ذیل طریقہ سے بنائی

نرم تخم سفوف کی سیکنے والی تاثیر کے باعث دست، پیچش، بواسیر وغیرہ میں ایک چمچ پیسی ہوئی تخم سفوف چھاچھ میں ملا کر روزانہ ایک یا دو مرتبہ بطور دوا دی جاتی ہے۔

جاسکتی ہے۔

160 گرام

تازہ گیندے کے پھول (Marigold) کی پتیاں : 160 گرام

خالص کھوں کا تیل : 300 گرام

مندرجہ بالا تینوں اجزاء ملا کر دھبی آٹھ چمچ پکائیے یہاں تک کہ پتیاں نرم پڑ کر تیل میں گھلے لگیں۔ تب اسے ایک لٹر کے برتن میں اتریل کر اس کا مزہ مضبوطی سے بند کر دیجئے اور اسے ایک ماہ تک

آم کا چھ سے انیس فیصد حصہ تخم سفوف پر مشتمل ہوتا ہے۔ آم کی تخم سفوف پھر کی طرح سخت ہوتی ہے اور پیشہ و گوشت سے ذمکی ہوتی ہے۔ آم کی تخم سفوف کی اوپری سخت سطح کے اندر ایک نرم ہلکی پیلی تخم سفوف ہوتی ہے، جس پر باریک تخم سفوف ہوتی ہے۔ یہ گلیک ایسڈ (Gallic Acid) سے بڑھتی ہوئی ہے لہذا کڑوی و سیکڑنے والی ہوتی ہے۔ نرم تخم سفوف کی سیکنے والی تاثیر کے باعث دست، پیچش، بواسیر وغیرہ میں ایک چمچ پیسی ہوئی تخم سفوف چھاچھ میں ملا کر روزانہ ایک یا دو مرتبہ بطور دوا دی جاتی ہے۔

سیلان رحم یا لیکوریا (Leucorrhoea)، پیرانہ سوزش مہبل

(Senile Vaginitis) اور متعدد حمل (Multiple Pregnancies) کے باعث مہبل کی دیواریں ڈھیلی پڑ جانے جیسی کیفیات میں جملی اتری ہوئی آم کی نرم تخم سفوف پیس کر اس کا ایک چھوٹا چمچ پیسٹ مہبل میں لگا جاتا ہے۔ جنسی اختلاط سے آدھا گھنٹہ قبل اس کا استعمال ایک محفوظ مانع حمل (Contraceptive)

کا کام کرتا ہے۔ اس طریقے کو متعدد مرتبہ المہینان بخش نتائج کے ساتھ آزمایا جا چکا ہے۔

تازہ نرم تخم سفوف یا اس کا سوکھا ہوا سفوف 20 سے 30 گرام ایک مرتبہ روزانہ کلپ کیڑوں (Roundworms) کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے دیا جاتا ہے اس کے علاوہ پیچھروں، ناک، دانٹوں، تپ دق کے باعث مقعد، سوزھوں کی سوزش، بواسیر اور نکسیر وغیرہ سے خون کے رساؤ کو کنٹرول کرنے کے لیے اسے حالب یا خون بند دوا



ذائقہ

زمین میں دبا کر چھوڑ دیجئے اس کے بعد اسے باقاعدگی سے بالوں میں لگانے سے نہ صرف وہ کالے ہوں گے بلکہ ان کی خوبصورتی میں بھی اضافہ ہوگا۔

بالوں کو کالا کرنے کا ایک اور طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

آم کی پھل کا اندرونی حصہ : 55 گرام
تازہ آملہ : 23 گرام
حلیہ زرد یا ہلدہ : 23 گرام

(Chebule Myrobalan)

ہلدہ (Baleric Myrobalan) : 11.5 گرام
لوہے کا پردہ : 11.5 گرام

ان تمام اجزاء کو لوہے کے ہاون دستے میں ڈال کر ملائیے اور اچھی طرح کوئیے۔ رات بھر ان اجزاء کو ہاون دستے میں ہی چھوڑ دیں اور پھر ایک مرتبہ ان میں ڈال دیں۔ اسے باقاعدگی سے بالوں میں لگانے سے بال مستعمل طور پر کالے ہو جاتے ہیں۔ یہ خاص طور سے قبل از وقت سفید ہوئے بالوں کے لیے مؤثر ہے۔

پیتاں

ہندوستان میں آم کی طرح اس کی پیتاں بھی بہت مقدس سمجھی جاتی ہیں۔ ہندو اپنے گھروں کے دروازوں پر آم کی پیتوں کے ہار بنا کر لٹکاتے ہیں جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ بلائیں اور انگلیشن سے دور رہیں گے۔ آم کی پیتوں میں کیلک اور ٹینک دونوں طرح کے تیزاب ہوتے ہیں اور بیج کی طرح یہ سیکڑنے والی ہوتی ہیں۔ دست بچش اور آواز بخینے کی صورت میں منی بھر آم کی مکی چٹاں پیں کر یا ان کا جوشاندہ بنا کر دن میں تین مرتبہ دیا جاتا ہے۔ ذیابیطس یا شوگر کے ابتدائی مرحلے میں مکی چٹوں کا تازہ رس ایک بڑا بیج روزانہ تین مرتبہ دیا جاتا ہے۔ عام طور پر اسے ایک بڑے بیج کر لیے کے رس کے ساتھ ملا کر صبح ایک مرتبہ چند ماہ تک دیا جاتا ہے۔

آم کی مکی چٹاں چبانے سے سوزوحوں سے خون آنا بند ہو جاتا ہے، درم دہن، گلا بخینے، کھانسی اور دانٹوں کے درد کا علاج ہوتا

ہے۔ بچیاں روکنے کے لیے پیتوں کو جلا کر ان کے دھوئیں میں سانس لی جاتی ہے۔

پیتوں کی راکھ نارمل کے تیل میں ملا کر چلے ہوئے مقام اور پھپھوؤں پر راحت بخش مرہم کے طور پر لگائی جاتی ہے۔

آم کی پیتوں پر عام طور پر پانی جانے والی گالٹھیں چھ سات

پیتوں سے جمع کی جاتی ہیں اور چار کالی مرچوں (Pepper Corns) کے ساتھ ملا کر نارمل پانی کے ساتھ ہر چار گھنٹے کے وقفے سے ہینڈ کے مریض کو دی جاتی ہے اس کے نتائج بہت مفید ہوتے ہیں۔ پھیپھی ایزوں پر پتی کے فلفل کا سفید عرق لگایا جاتا ہے۔

پھول

آم کے پھول حائس یا خون بند ہوتے ہیں اور دوسرے درجے میں سرد خشک ہوتے ہیں۔ دست و بچش میں ایک سے دو چھوٹے بیج پھولوں کا رس دہی کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ پزندت یکن نامھ کے مطابق پانچ دن ایک مقررہ وقت بلا نامھ اگر آم کے تازہ پھول ہاتھوں پر رگڑے جائیں اور پھر ان کا رس پھیلیوں پر سوکھنے دیا جائے تو ان میں ایک معجزاتی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ شہد کی مکھوں اور بھو کے کانے کو ایسے ہاتھوں سے چھوا جائے تو درد فوراً دور ہو جاتا ہے۔ یہ معجزاتی طاقت ایک سال تک ہاتھوں میں رہتی ہے لہذا ہر سال دوبارہ یہی سب دہرا کر اسے دوبارہ حاصل کیا جاتا ہے۔

آم کے سوکے پھول ایک بڑا بیج اتنی ہی مقدار شہد کے ساتھ ملا کر دن میں تین مرتبہ جریان یا سیلان منی کے لیے ایک مخصوص دوا کے طور پر دیا جاتا ہے۔ ایک بڑا بیج تازہ پھولوں کا پیٹ دہی کے ساتھ ملا کر یا پھر نارمل پانی کے ساتھ سوزاک (Gonorrhoea)، درم مثانہ (Cystitis)، مثانے سے رطوبت کے مسلسل اخراج، کثرت تیزابیت کے باعث جلن کے ساتھ پیشاب قلت سے آنے اور دھات آنے (Albuminorrhoea) وغیرہ کے علاج کے لیے دیا جاتا ہے۔ تازہ پھولوں کے عرق سے ایک مرتبہ روزانہ غرارے کرنے سے گلا بخینے کے باعث کھانسی اور درم دہن کا علاج ہوتا ہے۔ سوکے پھولوں کی دھوئی سے پھمردور ہوتے ہیں۔



طرح ٹھنڈا ہونے دیجئے۔ اس کے بعد گودے، رنگ اور سڑک ایسڈ کو اس میں ڈال کر اچھی طرح ملائیے۔ اس کچر کو بھی ملل کے کپڑے میں چھان لیجئے۔ اب فی کلو گرام کے لیے 715 ملی گرام پوٹاشیم بین بائی سلفائیٹ (Potassium Metabisulphite) کے حساب سے ملائیے۔ اب آپ کا اسکواش تیار ہے اسے پہلے سے جراثیم سے پاک اہلی ہوئی بوتلوں میں بھر کر ٹھنڈی سوکھی جگہ محفوظ کر لیجئے

مینگو پریزرو (Mango Preserve)

پلکے سے کپے ہوئے پہلے گودے کے سخت آموں کو چمیل کر کٹڑے کر لیجئے۔ ان کٹڑوں کو فی گیلن ایک بڑا چمچ نمک شامل کئے ہوئے پانی میں ڈال کر رکھئے تاکہ ہوا نکلنے سے کالے نہ پڑیں۔ اب ایک اسٹیل کے برتن میں پانی ابا لیے اور ان کٹڑوں کو ایک ملل کے کپڑے میں باندھ کر اچلتے پانی میں ڈال کر پانچ سے دس منٹ پکائیں تاکہ یہ نرم پڑ جائیں۔ اس کے بعد انہیں ایک کپڑے پر پھیلائیے اور کاٹنے یا کٹڑی کی چھڑی سے گودے۔ اب ان کٹڑوں کے وزن کی چینی لیجئے اور پانی میں ابال کر شیرہ تیار کیجئے تاہم پانی ابا لے سے پہلے فی کلو چینی میں ایک سے دو گرام سڑک ایسڈ شامل کیجئے۔ شیرہ دو انگلیوں کے بیچ لگا کر دیکھیں جب 3-4 تار بننے لگیں تو آم کے کٹڑے ملا دیجئے۔ اب آگ سے اتار کر ٹھنڈا کیجئے اور چوڑے منہ والی جراثیم سے پاک بوتلوں یا مربتوں میں محفوظ کر لیں۔

آم کا پاپڑ:

کپے ہوئے بادامی آم گھلا کر ان کا گودا نکال لیجئے اور چوڑے سوراخوں والی چمچنی سے چھان لیجئے۔ تانبے یا جست کی تھالیوں پر کھمن لگا کر اس گودے کی پتلی پرت بچھائیے اور ہارک کپڑے سے ڈھک کر دھوپ میں رکھئے جبرگودے کی پہلی پرت سوکھ جائے تو اس پر دوسری پرت بچھائیے اور اس طرح تین چار پرتیں اوپر تلے بچھاتے جائیے۔ اب ایک بند ڈبے کی تہ میں تھوڑی سی گندھک جلا کر آم کی پرتوں کو دھونی دیجئے۔ اب حسب مرضی کٹڑے کر کے بڑبہر میں لپیٹنے اور خشکے کے مربتوں میں رکھئے۔

آم کی چھال بھی ٹینس (Tanins) سے مالا مال ہوتی ہے لہذا یہ بھی سکینز نے والی ہوتی ہے۔ سیلان رجم یا لیکور یا میں چھال کا رس دھرائی کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے جبکہ کچھ نمک ملا کر گھائیٹھے، ورم دہن، گلے کی سوجن وغیرہ میں اس کے غرارے کئے جاتے ہیں۔ سوزاک، قبل از وقت انزال، جریان، رسل یا خون تھوکنے کی صورت میں ایک سے دو چھوٹے بیج چھال کا رس ایک گلاس چھال میں ملا کر دن میں تین بار دوا کے طور پر دیا جاتا ہے۔ چھال کی راکھ ناریل کے تیل میں ملا کر جلے ہوئے پر لگائی جاتی ہے۔ آم کی چھال یا آم کے درخت کے کسی بھی حصہ کا رس کئے ہوئے زخم پر لگانے سے فوری طور پر خون بہنا بند ہو جاتا ہے اور زخم بھر جاتا ہے۔ سوزاک کے لیے 1/2 اونس چھال کا رس ایک کپ لیموں پانی میں ملا کر ایک موثر دوا کے طور پر دیا جاتا ہے۔ چلیپے (Mulberry) کے درخت کی چٹاں آم کی چھال کے ساتھ ابال کر خنثاق (Dyphtheria) کے علاج کے دوران غرارے کرائے جاتے ہیں۔

گوند: آم کے پرانے درختوں کے کھوکھلے تنوں میں ایک گہرنے سے کھنٹی رنگ کا گوند پایا جاتا ہے جس کا ذائقہ تھوڑا سا سکینز والا ہوتا ہے۔ اسے سوچ، ہڈی کے جوڑ اترنے اور چوٹ معصف پر لگایا جاتا ہے۔ تازہ گوند یعنی جلد پر لگایا جاتا ہے۔

آم کا اسکواش:

آم کا صحت بخش اسکواش گھر پر مندرجہ ذیل طریقے سے بنایا جاسکتا ہے۔ کپے ہوئے بادامی آم گھلا کر ان کا گودا نکال لیجئے۔

آم کا گودا	:	ایک کلو گرام
پانی	:	ایک کلو گرام
چینی	:	ایک کلو گرام
سڑک ایسڈ	:	30 گرام
نارنجی پیلا رنگ	:	معمولی سا

پانی میں چینی ڈال کر تقریباً پانچ منٹ ابا لیے، ایک جراثیم سے پاک ہارک ملل کے کپڑے سے اس شیرے کو چھان لیجئے اور پوری



”تم سلامت رہو ہزار برس“

(قسط : 10)

(مورٹا سید نظام الدین، امیر شریعت و سکریٹری جنرل مسلم پرسنل لا بورڈ سے ملاقات)

ڈاکٹر عبدالعزیز شمس - مکہ مکرمہ

آرڈر سے پابندی سے موصول ہوتا تھا مگر اکثر میں امارت شرعیہ کے دفتر خود پہنچ جاتا اور مولانا نظام الدین صاحب وقاضی مجاہد الاسلام صاحب سے ملاقات بھی کرتا اور دعائیں حاصل کر لیتا۔

امارت شرعیہ تب ایک چھوٹے سے ہال نما کمرے میں ہوتا تھا۔ نہ ٹیبل، نہ کرسی، نہ دفتر کے دوسرے لوازمات بلکہ ایک بڑا تخت جو تھوڑے پورے کمرے کو بڑھ کر لیتا تھا جس پر درمی اور چاندنی بھی ہوتی تھی۔ داخل ہوتے ہی سامنے کی دیوار کے ٹھیک بیچ میں مولانا تشریف فرما ہوتے۔ سامنے ایک صندوقچی جس پر کاغذات، مسودات اور فائیں۔ ان کے داہنی طرف اور بائیں طرف قطار میں تین تین حضرات دیکھی ہی صندوقچی رکھے کاغذات پر بٹکے مشغول کار ہوتے۔ داخل ہونے والا ہر شخص جوتے اتار کر تخت پر چلتا مولانا موصوف کے پاس پہنچ کر سلام و مصافحہ کے بعد دروازہ بند ہوتا اور اپنی بات کہتا تھا۔ میں بھی اسی پر عمل کرتا اور ضروری گفتگو کے بعد ان کے بائیں طرف کے آخری کاندے مولوی سراج صاحب کے پاس آکر بیٹھ جاتا جو خازن بیت المال تھے۔ ان سے مختصر گفتگو ہوتی اور جتنی دیر بیٹھتا پورے ہال کا جائزہ لیتا اور اس سادہ موقیانوسی ماحول میں اپنے کو کم پاتا۔ جب تک ہمارے کاغذات، اندراج درست ہوتے اور درجہ کے بعد نقدی پیش کر دی جاتی۔

میں اس آویز بن میں تھا کہ قارئین کی ملاقات کس سے کرائی جائے کہ متواتر کئی ای میل امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ سے موصول ہوئے کہ امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی دعوت پر تشریف لے جانے والے ہیں مگر ان کے ساتھی کاویز اب تک نہیں آیا ہے اور سفر نزدیک ہے۔ لہذا اس کی تک دوڑ کی جائے۔ میں بھی فکر مند ہوا کہ مولانا کی صحت اسی نہیں کہ اکیلے سفر کریں چونکہ مولانا اس پیرانہ سالی میں کئی کہنا امراض میں مبتلا ہیں اور پچھلے سال ہی ان کے دل کا آپریشن ہوا ہے۔ اس سسے میں جو بہارے بس میں تھا میں نے کیا مگر مولانا کی قسمت میں سفر اکیلے ہی تھا۔ میں نے فون پر زحار سے بندھائی کہ آپ بس تشریف لے آئیں۔ رابطہ عالم اسلامی میزبان ہے اور ہندوستان سے آپ اکیلے نمائندہ ہیں لوگ آپ کے استقبال کو موجود ہوں گے اور میں بھی ایئر پورٹ پر حاضر ہوں گا۔ مولانا نے بھی ہمت کر لی اور اپنا پروگرام مجھے بتا دیا۔

میں مولانا محترم سے ذاتی طور پر والد محترم کے ساتھ بچپن سے ملتا رہا ہوں مگر باضابطہ راہ و رسم 1970 سے قائم ہوئی جب مجھے امارت شرعیہ کے تعلیمی فنڈ سے میڈیکل کے لیے وظیفہ ملنا شروع ہوا۔ مولانا ان دنوں ناظم امارت شرعیہ تھے۔ یوں تو وظیفہ باضابطہ منی



ذائقہ

چھوٹے واقعات ذہن کے کسی گوشے میں بیٹھ جاتے ہیں اور اکثر سوچنے پر آساتے رہتے ہیں لہذا میں بھی اس شخص کو جاننے کی کوشش کرنے لگا جس نے اپنے آشیانے کو پھونک کر زمانے کو روشنی بخشی۔ اس کھوج میں مجھے اس شخص کا پتہ مل گیا جسے خود امیر شریعت وقت مولانا سید نظام الدین فرماتے ہیں کہ۔۔۔

”مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن سجاد ایک عہد ساز شخصیت کے مالک تھے، تواضع اور اخلاص کے ساتھ، جرأت و بے باکی، حق شناسی و حق گوئی ان کی خاص صفت تھی، ان کی ذات نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کا نمونہ تھی، وہ اپنے زمانے کے علما و مشائخ اور قوی و ملی قیادت کرنے والی شخصیات میں نمایاں تھے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول پر ان کی گہری نظر تھی دین و ملت کے لیے افرو سازی ان کی خاص خوبی تھی، ایمان، اخلاص و ولہیت اور جذبہ قربانی ان کا نمایاں وصف تھا اور امارت شریعہ ان کی زندہ جاوید یادگار ہے۔“

میں نے جب بانی امارت شریعہ کی شخصیت کو مزید جاننا چاہا تو ”یاد رفتگان“ میں علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے خیالات یوں بیان کیے ہیں۔

”وہ اکیلے تھے لیکن لشکر تھے، پیادہ تھے مگر برق رفتار تھے، وہ قال نہ تھے سراپا حال تھے۔ کہتے کم اور کرتے زیادہ تھے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ”رافا“ اور ”منزل“ کے فرق کو کبھی فراموش نہیں کیا، انہوں نے راہ میں ہمارہیوں کے لطف کلام میں پھنس کر منزل سے ہٹا کبھی گوارا نہ کیا، وہ وطن کی آزادی اور احکام کی پیروی کے درمیان التباس اور تضاد سے کبھی بے خبر نہیں رہے، جذبہ آزادی کی پوری قوت کے باوجود انہوں نے کانگریس یا کانگریسی حکومت کے غلط اقدام اٹھانے پر کبھی بزدلانہ یا صلح پسندانہ رد و گزر سے کام نہیں لیا۔“

اس سادہ سے دفتر کا ذکر یہاں اس لیے ضروری ہے کہ اب امارت شریعہ نہ صرف چند صوبوں بلکہ پورے ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ملک میں بھی اپنی ساکھ بٹا رہا ہے۔

ناظم امارت شریعہ جناب مولانا نظام الدین صاحب اپنے دفتر میں جہاں تشریف فرما ہوتے تھے ٹھیک ان کے سر کے اوپر دیوار پر ایک مختصر، سادہ سا شعر فریم کیا ہوا آویزاں تھا جو نہ صرف تجسس پیدا کرتا بلکہ اس ادارہ کے بانی اور اس کی قربانی کا تعارف کراتا اس مشن کو آگے بڑھانے کی ہمت دلاتا تھا۔ میری نگاہ پڑی تو راز درون کو سمجھنے اور جاننے کی جستجو بھی شروع ہوئی۔ یوں تو دنیا میں کسی ملک میں چلے جائیں، اداروں میں یا محکمے یا شعبہ میں چلے جائیں یا تو حاکم وقت کی یا ادارے کے بانی کی تصویر آویزاں ہوتی ہے۔

ہمارے ملک میں گاندھی جی کی تصویر بابائے قوم کی حیثیت سے آویزاں ہوتی ہے یا پھر موجودہ لیڈر یا وزیر اعظم یا کسی ادارے میں اس کے بانی کا فوٹو ہوتا ہے جسے اکثر کالا پہنائی ہوتی ہے۔

کوئی بھی ملک خواہ وہ اسلامی ہی ملک کیوں نہ ہو بادشاہ، سلاطین اور حکمران کی تصویر آویزاں کر کے نہ صرف اسے خراج عقیدت اور عظمت عطا کی جاتی ہے بلکہ اس کے دستور العمل کا تعارف بھی کرایا جاتا ہے۔

بشمول ہندوستان بہتیرے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی مجسمہ نصب ہوتا ہے۔ بعض کھلے میدان میں پارک میں یا بڑے ہال میں اور اس کا حشر انسان تو نہیں پرندے جو کرتے ہیں وہ بھی عبرتناک ہی ہوتا ہے۔ مجھے امارت شریعہ کے اس معمولی سے دفتر میں آویزاں شعر نے اور اس جدت نے سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے کی دعوت دی بلکہ اس شخص کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی فکر ہوئی۔

پھونک کر اپنے آشیانے کو

بخش دی روشنی زمانے کو

میں دفتر اپنی غرض سے جاتا اور کام ہوتے ہی واپس ہو جاتا مگر مجھے یہ شعر اس پوشیدہ شخصیت کو جاننے کے لیے اکساتا رہتا۔ طالب علمی کا زمانہ بے فکری اور لاابالی پن کا ہوتا ہے مگر اس وقت کے



ذائقہ

آگے رقم طراز ہیں کہ

”مولانا کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ علماء سیاسیات میں بھی قوم کی رہبری کا فرض انجام دیں، مسلمانوں میں دینی تنظیم قائم ہو جائے، جس کے تحت ان کے تمام تبلیغی و مذہبی، تعلیمی و تمدنی کام انجام پائیں، دارالقضاء قائم ہو کر مسلمانوں کے ہر قسم کے مقدمات اور معاملات تصفیہ پائیں۔ مسلمانوں کا بیت المال قائم ہو جائے، جہاں مسلمانوں کے صدقات، میراث، زکوٰۃ کی ساری رقمیں اکٹھی ہو کر ضروریات میں خرچ ہوں اور مستحقین میں تقسیم ہوں۔ مولانا نے عمر کے آخر میں برس ان ہی کاموں میں صرف کیے اور حق یہ ہے کہ انہوں نے ہر قسم کی مالی بے بضاعتی، مددگاروں کی کمی، رفقا کی نا مساعدت اور حالات کی مخالفت کے باوجود جو کچھ کر دکھایا وہ ان کی حیرت انگیز قوت عمل کا ثبوت اور اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص ہے۔“

مزید لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے ان کو جاہ و مرجعہ بھی عنایت فرمایا، انہوں نے خود اپنی پارٹی کی بھی وزارت بنائی، اور بادشاہ مگر نہیں تو وزیر مگر ضرور بنے، کانگریسی حکومت کے زمانے میں ان کو اچھا اقتدار حاصل رہا، مگر خدا گواہ ہے کہ اس اثر و اقتدار کو اپنی ذات کے لیے کبھی کام میں نہیں لائے، جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے لیے کیا۔“

مولانا عبدالماجد دریابادی نے 2 دسمبر 1940 کے ”صدقہ جدید“ میں اپنے تقریری مضمون میں لکھا کہ۔

”مرحوم جلیعہ العلماء کے بہت قدیم اور ابتدائی خدمت گزاروں میں اور خلافت کینٹی کے دور اول کے مخلص، پُر جوش کارکنوں میں تھے، اور امارت شرعیہ صوبہ بہار کے تو گویا بانیوں میں تھے۔ تین، تدبیر اخلاص اور

دین داری کا ایک مجسم نمونہ تھے، فکر و نظر علم و عمل، ہر اعتبار سے بہت بلند و ممتاز تھے، اور نہ شلت خیال کے علماء میں تو خوبیوں کے لحاظ سے اپنی نظیر بس آپ ہی تھے، کانگریس کے ہمدرد ہونے کے باوجود کانگریسی حکومت اور کانگریسی کارکنوں پر ککتہ چینی میں آزاد و بے باک تھے۔ اپنی اسلامیت کو کبھی وطنیت سے مطلوب نہ ہونے دیا۔ حیات دینی و غیرت اسلامی سے دل لبریز رکھتے تھے۔ اور اس درومند حساس دل کے ساتھ دماغ بھی سلجھا اور نکھرا ہوا لائے تھے۔ 31ء میں فنکار کی مدافعت میں بہت پیش پیش رہے، 1934ء کے مشہور زلزلہ بہار کے موقع پر بھی مسلمان مصیبت زدوں کی بڑی ہی خدمت کی۔ زندگی کا ہر سانس وقت کا ہر لمحہ فلاح امت و خدمت ملت کے لیے وقف تھا، ہر مشکل کے وقت سینہ سپر ہو کر آگے بڑھتے، مخلصانہ خدمات کو کوئی کہاں تک گنائے، آئندہ بات بات پر ان کی یاد آیا کرے گی۔“

امارت شرعیہ کی تاریخ قیام کے سلسلے میں مرحوم قاضی احمد حسین صاحب بتاتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ”حزب اللہ“ کے عنوان سے ایک اسلامی تنظیم کا خاکہ بنایا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے اتحاد اور تنظیم سے حکومت وقت سے نکلے بغیر اپنی جگہ پر ایک مستحکم حکومت بنالیں، مولانا آزاد بھی اس نقشہ میں رنگ نہیں بھر سکے تھے، کہ ان کو رانچی میں آکر نظر بند ہو جانا پڑا، رانچی کی اسیری کے زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے کسی شخص نے ان کو بتایا کہ مدرسہ انوار العلوم گیا کے مدرس مولانا محمد سجاد کہتے ہیں کہ ”حزب اللہ“ کے جو مقاصد ہیں اس کی اصل امارت شرعی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ امارت کا یہ تصور جس کی اصل کتاب اللہ اور سنت رسول میں موجود ہے۔ یہ سن کر مولانا آزاد، مولانا محمد سجاد کی رائے اور فکر کے قائل بن گئے اور مولانا سے ملنے کی خواہش کی۔ پھر وہ ”حزب اللہ“ کی تحریک، امارت شرعیہ کے تخیل میں ظاہر ہوئی اور مولانا محمد سجاد کی قوت عمل نے اس کو ایک حقیقت بنا کر دکھا دیا۔



ذائقہ

کرنا اور ہر اس طریق کار و تحریک کی ہمت کھنی کرنا جس کا مقصد ہندوستان میں بسنے والے مختلف طبقات میں سے کسی ایک کے جان و مال، خیالات و معتقدات پر کسی دوسرے کی طرف سے حملہ ہو، اور ایسی عام تحریکات کو قوت پہنچانا جن کا مقصد ملک میں بسنے والی مختلف مذہبی اکائیوں کے درمیان ایک دوسرے کی جان و مال، عزت و آبرو کا احترام پیدا کرنا اور فرقہ وارانہ تعصب و منافرت کو دور کرنا۔

میرے خیال میں پورے ہندوستان میں یہ واحد ادارہ ہے جو تقریباً 88 سال سے امیر شریعت کے ماتحت بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ میرے دیکھتے دیکھتے 37 سال کے دوران امارت شرعیہ ایک عظیم ادارہ میں تبدیل ہو چکا ہے۔

دفتر کی عظیم الشان عمارت ہے۔ جسے دارالامارات کہتے ہیں اسی میں انتظامی امور کے علاوہ بنیادی شعبہ جات جن میں تبلیغ، دارالافتاء، دارالقضاء، تحفظ مسلمین، نشر و اشاعت، شعبہ تعلیم مذہبی و عصری، وفاق المدارس الاسلامیہ، دارالعلوم اسلامیہ، مساجد، امارت شرعیہ ایجوکیشنل سوسائٹی و بیت المال ہے۔

اس کے ساتھ دوسری بلڈنگ میں مولانا سجاد میموریل اسپتال ہے جس میں تمام بنیادی سہولتیں موجود ہیں نیز شعبہ زچہ و بچہ، دندان، چشم کا مطب عام ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں مریضوں کے علاج کا نظم ہے۔

پیچمن کی جانب چار منزلہ عمارت میں میکینیکل انسٹی ٹیوٹ ہے جہاں غریب بچوں کو جو آگے تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہیں، انہیں مختلف ٹریننگ دی جاتی ہے تاکہ تربیت پا کر اپنے ہاتھ سے حلال روزی کمانے کا جذبہ پیدا کریں۔ 1995 سے اب تک 2364 طلباء فارغ ہو چکے۔ کیمپور کے کورس کے 1311 طلباء، پیرامیڈیکل کے 289 فراغت پا کر برسر روزگار ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ درجہ تک، پورنیہ، چپارن اور راول قلعہ کی برانچ سے بھی طلباء کی کثیر تعداد کامیاب ہو چکی ہے۔ یہ ساری ترقی اور وسعت مولانا منت اللہ

امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ چھار کھنڈ کا قیام 26 جون 1921ء کو پسند میں عمل میں آیا جس کے موجودہ اغراض و مقاصد بڑے واضح ہیں۔

- 1- منہاج نبوت پر نظام شرعی کا قیام تاکہ مسلمانوں کے لیے صحیح اسلامی زندگی حاصل ہو سکے۔
- 2- اس نظام شرعی کے ذریعہ جس حد تک ممکن ہو، اسلامی احکام کو بروئے کار لانا اور اس کے اجراء و تنقید کے مواقع پیدا کرنا، مثلاً عبادات کے ساتھ مسلمانوں کے عائلی قوانین نکاح، طلاق، میراث، خلع، اوقاف وغیرہ احکام کو ان کی اصلی شرعی صورت میں قائم کرنا۔
- 3- ایسی استطاعت پیدا کرنے کی مستقل جدوجہد کرنا جس کے ذریعہ قوانین خداوندی کو نافذ اور اسلام کے نظام عدل کو قائم و جاری کیا جاسکے۔
- 4- امت مسلمہ کے جملہ اسلامی حقوق و مفادات کا تحفظ اور ان کی نگہداشت۔
- 5- مسلمانوں کو بلا اختلاف مسلک محض کلمہ واحد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر مجتمع کرنا تاکہ وہ خدائے تعالیٰ کے احکام اور حضرت محمدؐ کی سنت پر عمل کریں اور اپنی اجتماعی قوت ”کلمۃ اللہ“ کو بلند کرنے پر خرچ کریں۔
- 6- مسلمانوں کو تعلیم اور معاشی ترقی کے میدان میں اسلامی نظام تعلیم اور اسلامی نظام تجارت کی روشنی میں رہنمائی دینا۔
- 7- عام انسانی خدمت کے لیے رفاہی اور قلمی ادارے قائم کرنا۔
- 8- مسلمانوں کے حقوق، بشریت کے احکام اور اسلام کے وقار کو پوری طرح قائم اور محفوظ رکھنے ہوئے مقاصد شرع اسلامی کی تکمیل کی خاطر اسلامی تعلیم کی روشنی میں ہندوستان میں بسنے والے دوسرے تمام مذہبی فرقوں کے ساتھ صلح، آشتی کا برتاؤ کرنا، ملک میں امن پسند قوموں کو فروغ دینا اور تعلیم اسلامی لاضرر ولا ضررانی الاسلام کی روشنی میں ملک کے مختلف مذہبی فرقوں میں ایک دوسرے کے حقوق کے احترام کا جذبہ پیدا



ذائقہ

ہے۔ ظاہر ہے دماغ اعضاء رئیسہ کا وزیر اعلیٰ ہے جب وہ سلامت ہے تو پھر ہمت اور حوصلہ اسی سے ملتا ہے۔ اس حالت میں ان کے مستقل دورے ملت اسلامیہ کی فکر میں ڈوبی یہ شخصیت نوجوانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

حال تو سامنے ہے میں نے ان کے ماضی میں ہماکنے کی کوشش کی تو اور بھی حیرت و تعجب ہوا کہ آخر کون ہے جو اس مرد مجاہد کو اکساتا ہے۔ میرے خیال میں وہی جذبہ جو بانی امارت شریعہ میں موجود تھا وہ منتقل ہوا ہے، تب تو ان کی نظامت میں وہ کارہائے نمایاں انجام پائے جو اپنی مثال آپ ہے ظاہر ہے اس میں رفق اور جلا امیر شریعت رابع مرحوم مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی سرپرستی سے حاصل ہوئی۔

مولانا کی پیدائش 1927 میں ضلع گیا کے مشہور علمی خاندان حس کا سلسلہ قاضی صادق علی صاحب سے ملتا ہے وہاں ہوئی۔ ان کے والد محترم سید حسن صاحب دیوبند سے فارغ تھے۔ والدہ کی شفقت کا سایہ محض چار سال کی عمر میں ہی اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادیہ درہنگہ میں حاصل کی اور 1942 میں دیوبند بھیج دیئے گئے۔ مگر چند سال کی عمر میں والد کا سایہ عاقلیت بھی اٹھ گیا اور دادا کی نگرانی میں رہے۔ 1947 میں جب ہندوستان آزاد ہوا، تو دیوبند سے فارغ ہو کر مدرسہ ریاض العلوم چارن میں صدر مدرس کی حیثیت سے بحال ہوئے۔ پھر چتر ا ضلع ہزاری باغ میں مدرس رہے اور 1965 میں امارت شریعہ کی نظامت سنبھالی۔ بقول مولانا کے اس زمانہ میں حالات بڑے ناگفتہ بہ تھے۔ 1967 میں فلسطین کا معاملہ اٹھا اور پھر رانچی میں فرقہ وارانہ فسادات میں ریلیف کے کام کے بعد امارت کا پر اثر تعارف ہو سکا اور رفتہ رفتہ پورے ہندوستان میں لوگ اس ادارے سے واقف ہوئے۔

1972 میں مسلم پرسنل لا بورڈ قائم ہوا اور امارت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا سید نظام الدین نے 1998 میں امیر شریعت کا عہدہ سنبھالا اور ساتھ ساتھ حضرت مولانا علی میاں نے انہیں پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی بھی ذمہ داری عطا کر دی اور اب تک ان

رحمانی صاحب سابق امیر شریعت اور سید نظام الدین صاحب کی نظامت اور بعدہ امیر شریعت کے دوران ہوئی۔

مولانا سید نظام الدین صاحب امیر شریعت ہندوستان سے واحد مہمان تھے جنہیں رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر آنا تھا۔ وعدے کے مطابق میں برادرم شاہین نظر ایڈیٹر سعودی گزٹ کے ساتھ ایئر پورٹ پر موجود میٹیر میں استقبال کے لیے خطر تھا کہ اچانک موبائل نے توجہ کھینچی، معلوم ہوا کہ میزبانوں نے ان کا ہوائی جہاز کے پاس ہی جا کر استقبال کیا تھا اور اب وہ مہمان خانے میں انتظار کر رہے ہیں تاکہ پاسپورٹ کی کارروائی کے بعد انھیں جدہ سے مکہ لے جایا جائے۔ لہذا ہم لوگ مہمان خانہ ایئر پورٹ پہنچے اور ملاقات کر سکے اور وہ میزبان کی بھیجی ہوئی کار سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ انٹر کانفی نینٹل میں قیام کریں گے۔ مجھ سے فون پر مستقل رابطہ رہا اور ان کے ایک ہفتہ قیام کے دوران تقریباً ہر شب ملاقات ہوتی رہی اور مختلف موضوع پر قسطوں میں گفتگو ہوتی رہی۔ اکثر انٹر کانفی نینٹل ہوٹل کا پرسکون ماحول اور کمرے میں ہم دو ہی لوگ رہتے اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس ہیرانہ سالی یعنی اتنی برس کے بعد بھی ان کا ذہن چاق و چوبند اور واقعات کی تاریخیں بھی یاد ہیں۔

موتیا بند کا آپریشن لگ بھگ تیس سال قبل ہوا تھا جب نئی تکنیک اپنے زمانہ طفلی میں تھی لہذا وہی قدیمی آپریشن جس کے بعد ایک موٹا چشمہ لگ جاتا ہے وہ ان کی پہچان بن چکا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس حدیٰ عسر سے کن الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا مگر اب وہ عادی ہو چکے ہیں اور لکھنا پڑھنا اسی حوصلے سے کرتے ہیں۔ ذیابیطس اور مرض قلب جس نے گزشتہ سال ہی آپریشن کے لیے مجبور کر دیا۔ دس قدم سے زیادہ چلنے کی سکت بھی نہیں۔ بیماری شخص میں الگ جلتا مگر ان کی ہمت اور سوچ کی داد دینی پڑے گی۔ میں نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ آپ کی صحت تو آپ کے کاموں میں مانع ہوتی ہوگی۔ کہنے لگے اعضاء بھی جواب دے چکے مگر دماغ کام کرتا



ذائقہ

نہیں کہ انسان عیب سے خالی نہیں مگر خوبی سے بھی خالی نہیں ہوتا۔ امارت شرعیہ کو کھن وقت سے بھی گزرتا پڑا مگر اللہ سے ہر جگہ مدد کی۔

اس وقت 136 مدارس اور 200 مکاتب امارت کی نگرانی میں چل رہے ہیں۔ میرے اس سوال پر کہ اگر آپ کو اللہ صحت و عافیت کے ساتھ کچھ اور کام کرنے کا موقع دے تو آپ کیا کیا کرنا چاہیں گے؟ آپ کی ترجیحات کیا ہوں گی؟

جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ کام تو بے انتہا ہے جس میں نئی نسل میں تعلیم و تربیت سب سے اہم ہے۔ تعلیم ضرور مل رہی ہے مگر تربیت بھی اسی طرح ضروری ہے جو نہیں مل رہی۔ نوجوانوں میں حمیت دینی اور غیرت پیدا کرنا ضروری ہے۔ نئے نئے اسکول کالج کھولنے سے بہتر ہے کہ جہاں بچے پڑھ رہے ہیں وہیں محنت کی جائے۔

عورتوں میں بالکل کام نہیں ہوا ہے۔ عورتوں میں کام ہونا چاہئے ان کی اور ان کے بچوں کی ذہن سازی ہونی چاہئے۔ عورتوں میں تعلیم عام کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمیں اپنے خول سے نکلنا چاہئے۔ موجودہ ذرائع ابلاغ سے جس میں انٹرنٹ، ویب سائٹ، اخبار، رسالے کے ذریعہ اپنی بات پہنچانا چاہئے۔ مسلمانوں میں باطل فرقے اسی کے سہارے آگے بڑھ چکے ہیں۔

علماء کو حوصلہ پست کرنے والے خطبات نہ دینا چاہئے۔ حادثات کا ردنا نہیں رونا چاہئے۔ بلکہ حوصلہ بڑھانے والے خطبات کا اثر اچھا پڑے گا۔ جمعہ کے خطبات میں اس بات کا اہتمام ہونا چاہئے کہ خوف اور بزدلی والے خطبے نہ دیئے جائیں بلکہ ہمت دلانا چاہئے۔ ملاحتی تقریر کا اب زمانہ نہیں۔

امارت نے خود تکمیل نظام تعلیم جو خصوصاً گاؤں کے لوگوں کے لیے ہے شروع کیا ہے۔ اور نتیجہ اچھا ہے۔

میرے اس سوال پر کہ جو لوگ ریٹائر ہو جاتے ہیں ان کے تجربات سے کیوں نہیں فائدہ اٹھایا جاتا ہے؟ جس کے جواب میں

دو عہدوں پر فائز ہیں۔ امت مسلمہ کو خصوصاً ہندوستان میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرتا پڑا جسے انہوں نے قریب سے دیکھا اور ثابت قدمی سے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ معاملات خواہ ملی ہوں، قومی ہوں یا دینی ہوں، ڈٹ کر اور بے ہاک ہو کر مقابلہ کیا۔ فرماتے ہیں کہ

”جب بھاکپور کا فرقہ دارانہ فساد ہوا تو جناب

فاروق عبداللہ تشریف لائے انہوں نے خبر کی کہ وزیر اعلیٰ کی کوٹھی پر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم لوگوں نے کہا کہ ان کے والد محترم جناب شیخ عبداللہ مرحوم امارت شرعیہ تشریف لائے تھے جس وقت وہ ہمارے لئے اجنبی نہیں ہیں۔ وہ یہاں تشریف لائیں ہم ان سے بات چیت کریں گے لیکن ہم وزیر اعلیٰ سید نارائن سنگھ کی دعوت کے بغیر صرف فاروق عبداللہ صاحب کی دعوت پر ان کی کوٹھی نہیں جائیں گے۔

چنانچہ وزیر اعلیٰ نے دعوت نامہ بھیجا، میں بھی گیا، قاضی مجاہد الاسلام صاحب بھی تشریف لے گئے اور دوسری مختلف جماعتوں کے لوگ بھی وہاں پہنچے، وزیر اعلیٰ درمیان میں فاروق عبداللہ ان کے بغل میں لیکن ناتھ مشرا سابق وزیر اعلیٰ بہار یہ تینوں سامنے بیٹھے ہوئے تھے ایک طرف سے ہاتھیں شروع ہوئیں جب میری باری آئی تو میں نے وزیر اعلیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ آزادی کی لڑائی میں ہم لوگوں نے کانگریس کا معجزہ اٹھایا مگر بزدلوں کی لالچیاں کھائیں اپنے ہم مذہب لوگوں سے گالیاں سنیں، جب ملک آزاد ہوا تو آپ کو وزارت کی کرسی ملی اور ہم کو بھاگل پور۔“

میں نے جب یہ پوچھا کہ آپ لوگوں کی قربانیوں اور کادشوں سے یہ ادارہ اس مقام پر پہنچا ہے۔ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ قائم رہے گا۔

فرمایا کہ خلوص و حسن نیت اصل چیز ہے۔ مولانا قاسم نانوتوی کے حسن نیت اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ دیوبند آج تک قائم ہے۔ امارت شرعیہ بھی مولانا سجاد بانی امارت کی نیت، اخلاص اور قربانی کی وجہ سے قائم و دائم ہی نہیں بلکہ وسعت پارہا ہے۔ اس میں کوئی شک



ذائقہ

”اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا“

صحت میری ایسی نہیں کہ دورے کئے جائیں مگر کرنا پڑتا ہے۔

گزشتہ سال چار چار مویوں کا دورہ کیا۔

تم اگر پوچھو گے کہ میری تنخواہ کیا ہے تو یہ کہوں گا کہ یہ دونوں عہدے اعزازی ہیں۔ جب تاہم تم تنخواہ بھی مگر امیر شریعت ہوں تو اعزازی اسی طرح مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سیکریٹری کا بھی عہدہ اعزازی ہے۔

مولانا دواؤں کا پیکٹ لے کر سفر کرتے ہیں اور تیرہ، چودہ قسم کی دوائیں جو مخصوص ذی میں رکھی جاتی ہیں۔ یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ ہفت بھری خوراک بنادی جائے تاکہ سفر میں وقت نہ ہو۔ اس عمر میں بلا کا جوش دیکھ کر بس دلی چاہا کہوں۔

”تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار“

ان کا نقطہ نظر بالکل مختلف تھا۔ فرمانے لگے کہ جو شخص سرکاری عہدے پر فائز رہا ہوتا ہے اس کا تجربہ یقیناً اپنی فیلڈ میں ہوتا ہے مگر قومی یا ملی کام کا تجربہ اسے نہیں ہوتا اور وہ فلاحی اداروں کے لیے بیکار ہوتا ہے۔ اپنے کئی تجربات انہوں نے گنائے کہنے لگے جو لوگ دینی اور ملی کام کرتے رہتے ہیں وہ کبھی ریٹائر نہیں ہوتے جو لوگ اپنی ملازمت سے جڑے رہنے کے ساتھ کچھ فلاحی اداروں میں بھی سے جڑے ہوتے ہیں ان سے استفادہ حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا علی میاں، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ کوئی ریٹائر تو نہیں ہوئے آخر وقت تک کام کرتے رہے۔ میں آٹھ سال سے کوشش کر رہا ہوں کہ مسلم پرسنل لا بورڈ سے اجازت مل جائے مگر اجازت نہیں ملتی۔ یہاں تو بس یہی ہے کہ

**SERVING
SINCE THE
YEAR 1954**



**011-23520896
011-23540896
011-23675255**

BOMBAY BAG FACTORY

8777/4, RANI JHANSI ROAD, OPP. FILMISTAN FIRE STATION

NEW DELHI- 110005

3377, Baghichi Achheji, Bara Hindu Rao, Delhi- 110006

Manufacturers of Bags and Gift Items

for Conference, New Year, Diwali & Marriages

(Founder: Late Haji Abdul Sattar Sb. Lace Waley)



ذائقہ

کے لیے 600 سے زائد عضلات کام کرتے ہیں۔ عضلات کی اتنی زیادہ تعداد کا وزن جسم کے آدھے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

عضلات، عضلاتی بافتوں کے مضبوطی سے بندھے ہوئے کچھوں سے بنے ہوتے ہیں۔ عضلاتی بافت بہت زیادہ ریشہ دار ہوتی ہے، اس لیے یہ مضبوطی سے بندھے ہوئے ریڈمیٹڈ (Rubber bands) کے ٹکڑے سے مشابہہ ہوتی ہے۔

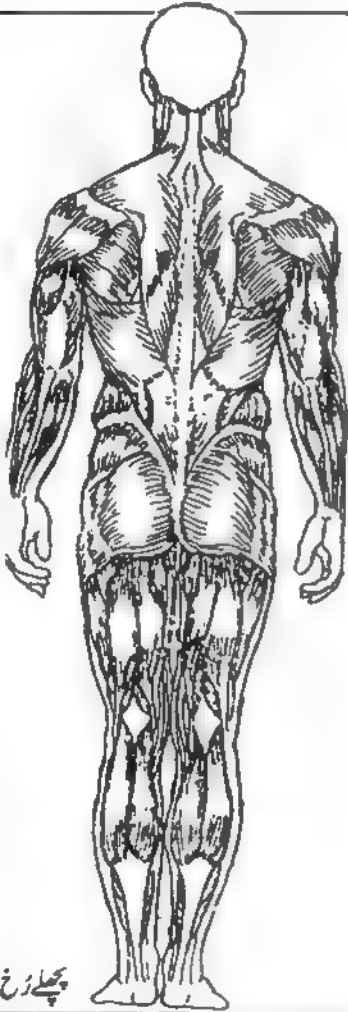
عضلاتی نظام

سرفراز احمد

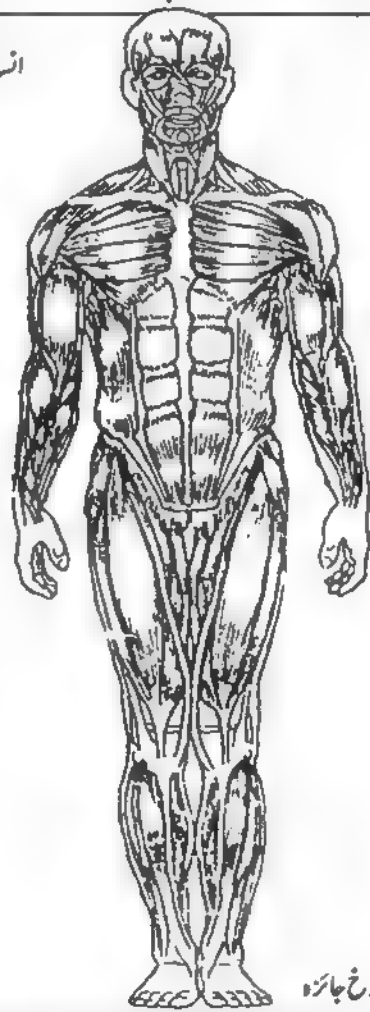
عضلات کیا ہیں؟

ہمارے جسم کی ہڈیاں خود بخود حرکت نہیں کرتیں بلکہ عضلات انہیں حرکت دیتے ہیں اور انسانی ڈھانچے کے مختلف حصوں کی حرکت

انسانی جسم پر عضلات



پچھلے رخ جائزہ



اگلے رخ جائزہ



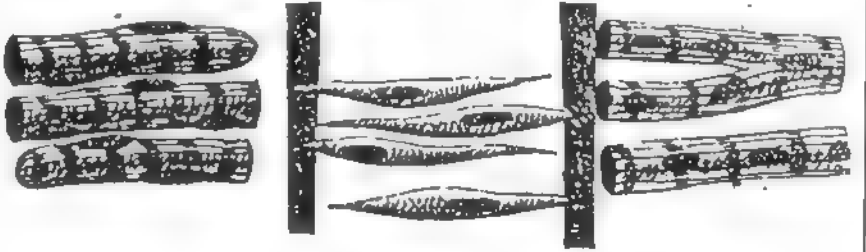
ذائقہ

عضلات کے ریشے کیسے دکھائی دیتے ہیں؟

گائے یا بچھڑے کے گوشت میں ایک پھللی والا حصہ ہوتا ہے۔ پھللی کا یہ گوشت عضلات پر مشتمل ہوتا ہے۔ عضلات کے ریشوں کو دیکھنے کے لیے پھللی کے گوشت کا ایک بھنا ہوا ٹکڑا لیں اور ایک سوئی کی مدد سے اس میں سے ایک ٹکڑا نکالیں۔ گوشت بھنا ہوا ہونے کی وجہ سے یہ آسانی سے نکل آئے گا اور پھر اسے لمبے اور ہار یک ریشوں کی شکل میں عینہ و عینہ کیا جاسکتا ہے۔ اصل میں یہ عضلی بافت کے ریشے ہوتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس خردبین ہے تو ایک بہت ہی پتے عصبی ریشے کو شیشے کی ایک سلائڈ پر رکھ کر خردبین کے شیشے کے نیچے رکھیں اور اس کا مطالعہ کریں۔ آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ عضلی بافت ٹکڑے نما (Spindle-shaped) خلیوں سے بنی ہوتی ہے۔

عضلات ہڈیوں کے ساتھ کیسے جڑے ہوتے ہیں؟

ایک عام عضلہ درمیان سے موٹا ہوتا ہے۔ اور سروں کی جانب



ڈوری نما مواد جراثادی عضلات بناتا ہے، اسے ریشہ (Fiber) کہتے ہیں۔ یہاں تین قسم کے عضلات دکھائے گئے ہیں۔ ان میں (دائیں سے) ہمیں جانب) دل کے عضلات، ہموار عضلات اور ڈھانچے کی ہڈیوں کے ساتھ جڑنے والے عضلات شامل ہیں۔

والے حصے پر سامنے کی جانب والا عضلہ Biceps کہلاتا ہے۔ اس کی بنیاد کہنی کے جوڑے بالکل نیچے پیش بازو (Forearm) کی انگوٹھے کی جانب والی ہڈی پر ہوتی ہے۔ کسی عصبے کا کسی ہڈی سے اصل جڑاؤ عام طور پر چھوٹی اور مضبوط ڈوری جیسی بافت کی وجہ سے ہوتا ہے، جو رباط (Ligament) بناتی ہے۔ یہ رباطی ڈوری نس (Tendon) کہلاتا ہے۔ جسم کے تمام عضلات اور ان کی نسیں مل کر عضلاتی نظام بناتی ہیں۔

عضلات کی کتنی اقسام ہیں؟

وہ عضلات جو ہمارے ڈھانچے کو حرکت دیتے ہیں ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہم اراداً حرکت دے سکتے ہیں۔ یہ ارادی عضلات (Voluntary Muscles) کہلاتے ہیں اور ان میں آنکھیں، تالو کا نرم حصہ اور غذا کی نالی کا اوپر والا حصہ شامل ہوتا ہے۔ ہمارے جسم میں ایسے عضلات بھی ہیں جنہیں ہم اپنی مرضی سے حرکت نہیں دے سکتے یہ غیر ارادی عضلات (Involuntary Muscles) کہلاتے ہیں۔ اس قسم کے عضلات شریانوں اور وریدوں کی دیواروں، معدے، پتے، آنکھوں، غذا کی نالی کے نچلے حصے اور دوسرے کئی اندرونی اعضاء میں پائے جاتے ہیں۔

جلد میں ہزاروں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے ارادی عضلات جلد کے بالوں کو حرکت دیتے ہیں۔ سردی سے کپکپی یا خوف کی وجہ سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جلد پر چھوٹے چھوٹے دانے سے بن جاتے ہیں۔ یہ سب جلد میں چھوٹے چھوٹے عضلات کی وجہ سے ہوتا ہے جو جلد کے بالوں کو کھڑا کرتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

سے بتدریج ہار یک ہوتا جاتا ہے۔ عضلات کے سرے ہی ہڈیوں کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ کسی عضلے کا ایک سرا ہڈی کے ساتھ اس طرح لگا ہوتا ہے کہ عضلہ حرکت نہیں کر سکتا۔ عضلے کا ہڈی کے ساتھ اس طرح جڑنا عضلے کی بنیاد کہلاتا ہے۔ دوسرا حصہ ہڈی کے ساتھ اس طرح لگا ہوتا ہے کہ عضلہ حرکت کر سکتا ہے اور اس جڑاؤ کو عضلے کا اتصال (Insertion) کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بازو کے اوپر



ناسازگار حالات

ڈاکٹر محسن الاسلام فاروقی، نئی دہلی

واچ

کیرالہ اسٹیٹ پولیوشن کنٹرول بورڈ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ وہ ان فیکٹریوں سے نکلنے والی آلودگی پر قابو پانے میں بالکل ناکام تھا۔ حسن اتفاق کہ جب ایلور کے ایک مقامی سپرنگ انجین سے آلودگی پینے کے پانی میں شامل ہونا شروع ہوئی تو اس کے دس ہی دن بعد یہ کنونشن منعقد کی گئی۔

اس کنونشن میں سیاسی شخصیات، تجاراتی نمائندے، قانونی صلاح کار، ماحولیات کے ماہرین اور سائنسدانوں نے شرکت کی جنہوں نے جبری پارکی آلودگی پر سخت تنقید کی۔ کینیڈا کے حقوق زندگی، غذا کی حفاظت اور محفوظ ماحول پر توجہ مرکوز کی گئی۔ ایلور کے ایم۔ پی کے۔ چندرن پلائی نے کہا کہ کیرالہ اسٹیٹ پولیوشن کنٹرول بورڈ غیر موثر ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں آلودگی کے انسداد کی نہ تو خواہش ہے نہ ہی صلاحیت۔

ایک مقامی ماحولیاتی کمیٹی نے اس آلودگی پر توجہ دلاتے ہوئے اس کے مؤثر حل کے لیے تجاویز پیش کیں۔ رپورٹ کے مطابق ایلور کی زمین، دریا اور مرطوب علاقے زہک، لیڈ، کڈیمیم، کرومیئم جیسی دھاتوں اور ڈی ڈی ٹی جیسی ناپیاتی کثافتوں سے آلودہ ہے۔ لوگوں کی صحت سے متعلق سروریز کے دوران پتا چلا کہ 82 فیصدی لوگ تنفسی بیماریوں کا شکار ہیں۔ یہاں اسقاط حمل اور کھجواں جیسے نقائص کے واقعات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی مانگ تھی کہ انہیں مفت طبی امداد کے لیے کارڈ دیے جائیں اور ہندوستان انسٹیٹیوٹ سائینڈ لیمنڈ کے لیے ڈی ڈی ٹی اور اینڈوسلفان کی تیاری کو ممنوع قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ مرکز اور ڈیو ایچ اولوگوں کو ان کے نقصانات کے لیے ہرجانہ بھی ادا کرے۔

سپریم کورٹ نے ٹیکنیکی ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی تاکہ پانی کے جہازوں کو خورد برد کرنے والی ایشیا کی سب سے بڑی بندرگاہ ”انگ شپ بریکنگ یارڈ“ میں وہاں کے کارکنوں کے کام کرنے کے حالات کا جائزہ لیا جاسکے۔ اس کمیٹی نے اکتوبر 2006 کے شروع میں اپنی رپورٹ پیش کی تھی جس میں وہاں کام کرنے والوں کی صحت کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔

رپورٹ کے مطابق انگ میں کام کرنے والے ہر چھ لوگوں میں سے ایک ایس بیس ٹوسس (Asbestosis) کا شکار ہوتا ہے۔ یہ ایک تنفسی بیماری ہے جو ایس بیس ٹوس کے رابطے میں آنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے ہر ایک ہزار کارکنان میں سے دو کا رکن ہلاک ہو جاتے ہیں اور یہ شرح اموات کانوں میں کام کرنے والوں کی شرح اموات کے مقابلے میں گنا زیادہ ہے۔

ماہرین ماحولیات نے ہمیشہ ہی کارکنان کی صحت کے بارے میں اپنے غدشات کا اظہار کیا ہے جبکہ گورنمنٹ نے ہمیشہ یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے کام کرنے کے حالات کا ان کی صحت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کیرالہ میں ایلور کی آلودگی

کیرالہ اسٹیٹ کے دریا پیری یار پر واقع ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس کا نام ہے ایلور۔ یہ دنیا کے مہلک ترین بوٹ اسپاش میں سے ایک ہے۔ یہاں ادیوگ منزل انڈسٹری اسٹیٹ کی 250 فیکٹریوں سے پھر انکل کر بنا روک ٹوک پانی میں ملتا رہتا ہے۔ گزشتہ دنوں یہاں ایک عوامی کنونشن کا انعقاد عمل میں آیا جس کے دوران



اتراچل میں فضائی اور پانی کی آلودگی

اتراچل کے ترائی والے علاقے جیسے لال کنواں، بندوکتہ، پتہ گر، کچھا، ہاز پور اور کاشی پور پانی اور نضا کی کثافت کا شکار ہو رہے ہیں۔ نئی تال، اودوم سنگھ گھر اور ہردوار جیسے ضلعوں میں کاغذ سازی اور کاغذی پلپ کے متعدد کارخانے اور شراب کی بنیمیاں ہیں جن کی نشاندہی بطور پیکٹنگ مٹری (یعنی انتہائی آلودہ) کے کی گئی ہے۔

اتراچل اسٹیٹ پولیوشن کنٹرول بورڈ سے سہماں بخار کا کہنا ہے کہ کاشی پور میں 18 سے 20 پلپ کے کاغذ کے کارخانے ایسے ہیں جو زیادہ تر آلودگی کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ان میں سے چند کے نام ہیں ملنی وال، مہما، بخاری، گوریا، نئی، بجن اور سدیش دری پیپر ملز۔ پولیوشن کنٹرول بورڈ نے بتا لگایا ہے کہ 24 انتہائی درے کی آلودہ یونٹوں میں سے 11 یونٹ وہ ہیں جن میں آلودگی کے انسداد کے لیے برائے نام سہولتیں موجود ہیں۔

ترائی علاقوں کے زیادہ تر دریائے جیسے کوئی اور رام لنگا مسطح علاقوں میں داخل ہونے کے بعد صنعتی کچرے سے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ پولیوشن کنٹرول بورڈ نے اعلان کیا ہے کہ دھیلا، بیلا، کچھا اور پلاکھر کا پانی اب لوگوں کے استعمال کے قابل نہیں رہا ہے۔ آبی زندگی کو جاری رکھنے کے لیے جس محلول آکسیجن کی ضرورت پڑتی ہے اس کی سطح دھیلا اور بیلا میں جو کاشی پور کے باہر کسی میں ملتی ہے اس کی سطح دھیلا تک پہنچ گئی ہے۔ ان دریاؤں کا پانی جو کبھی پینے کے لائق تھا اب صرف مچھلی پالنے، آب پاشی یا صنعتی کاموں میں استعمال کرنے کے قابل رہ گیا ہے۔

25 سال پہلے بیلا کا پانی پینے کے قابل تھا اور وہاں کے علاقوں میں زیر زمین پانی 5 سے 6 میٹر کی گہرائی پر مل جاتا تھا لیکن اب آہستہ آہستہ فیکٹریوں کا کچرا ملنے رہنے سے سطحی اور زیر زمین دونوں قسم کے پانی استعمال کے لائق نہیں رہے۔ ترائی کے علاقوں

میں جہاں پہلے اچھے پانی کے ذخائر دو سے چار میٹر کی گہرائی پر ہی دستیاب تھے اب ان کے لیے 140 سے 150 میٹر گہرائی تک جانا پڑتا ہے۔ بیلا کا پانی تو اتنا آلودہ ہو چکا ہے کہ اب اسے آجاشی تک کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ ٹیوب ویل کے لیے بھی 120 سے 130 فٹ گہرائی تک جانا پڑتا ہے۔ بندوکتہ میں صاف پانی کے لیے پہلے 10-12 فٹ تک ہی بورنگ کرنا پڑتی تھی لیکن اب 30 سے 35 فٹ گہرائی پر بھی آلودہ پانی ہی ملتا ہے۔

9 ستمبر 2006 کو لال کنواں اور بندوکتہ کے لوگوں نے سیڑھی پلپ اور پیپر مل کے خلاف احتجاج کیا کیونکہ ان کے سوشل گولڈامی دریا سے نکلنے والے ایک تالے کا آلودہ پانی پینے سے مر گئے تھے۔ باوجودیکہ فیکٹری کے منتظمین کہتے ہیں کہ انہوں نے کچرے کی صفائی اور فضائی آلودگی کے انسداد کے لیے انتظامات کیے ہیں مگر پھر بھی لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے یہاں تنگی اور پیٹ کی بیماریاں بہت عام ہو رہی ہیں اور ساتھ ہی آلودہ پانی پینے سے ان کے سوشل بھی مر رہے ہیں۔

2003-2004 کے درمیان جلدی مریضوں کی تعداد 702 سے بڑھ کر 1109 تک پہنچ گئی۔ صرف لال کنواں اور بندوکتہ سے پچھلے چھ مہینوں میں نیو برکلوکس کے 32 نئے کیس سامنے آئے ہیں۔

آلودگی کی وجہ سے زمین کی زرخیزی بھی متاثر ہوئی ہے۔ بندوکتہ میں گیہوں کی پیداوار میں 50 فیصدی کمی آئی ہے جبکہ دوری پارسا میں دھان کی فصل پچھلے چار سے پانچ برسوں کے دوران 25 فیصدی کم ہو گئی ہے۔ بندوکتہ کے بھگوان سنگھ کے مطابق دس بوری گیہوں (1000 کلو) کے بجائے محض 5 بوری گیہوں ہی ملتی ہیں۔ یہ علاقہ سویامین کے لیے بھی جانا جاتا تھا مگر اب یہاں کے کسان دوسری فصلوں کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں۔

حال ہی میں پولیوشن کنٹرول بورڈ نے کچھ اقدامات کیے ہیں اور جیما اور ملنی وال جیسے یونٹوں کو بند کرنے کا حکم دیا ہے۔ ساتھ ہی کئی فیکٹریوں کی چیک گارنٹی بھی ضبط کی گئی ہے۔



ابن رشد

عالم، فقیہ، مفکر، فلسفی، طبیب، منصف، مصنف

ارشاد منصور غازی، علی گڑھ

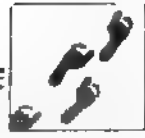
ابن نیک بندوں کی اخلاص سے مانگی دعا قبول فرماتے اور انھیں اور اُن کی اولاد کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتے۔ ابن رشد کی فطری صلاحیتوں کو اُبھارنے میں اُن کے والد نے جو کردار ادا کیا وہ دنیا کے تمام والدین کے بے مثالی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ والدین بچوں کی تربیت و تعلیم میں ایسی ہی دلچسپی لیں تو آنے والے عہد میں بیشمار ابن رشد امت مسلمہ کو مل سکتے ہیں۔ کہتے ہیں پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آتے ہیں۔ علم سے ان کے عشق کا کیا عالم تھا ان کی اس تحریر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اپنی زندگی میں میں نے صرف دو راتوں میں مطالعہ ترک کیا۔ ایک جب والد کا انتقال ہوا، ایک جب شادی ہوئی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں ابن رشد نے موحدین سلاطین کے دارالحکومت مراکش کا رخ کیا جہاں ان کی ملاقات اپنے وقت کے عظیم مفکر ابن طفیل سے ہوئی جن کا دامن حسد اور معاصرانہ رقابت سے پاک تھا انھوں نے سلطان ابو یعقوب یوسف کے دربار میں کئی عالموں کو باریاب ہونے میں مدد دی تھی۔ انھیں میں ایک نام ابن رشد کا بھی ہے۔ قیام مراکش کے دوران ان کی دلچسپی خالص سائنسی موضوعات کی طرف تھی مگر بادشاہ کی خواہش کی تکمیل میں انھوں نے خود کو دوسرے علوم میں مدغم کر لیا۔ سلطان کی ایما پر ابن طفیل نے ارسطو کی کتابوں کی تنقیص اور تشریح کا کام انھیں تفویض کیا جسے انھوں نے بڑی تندی سے انجام دیا۔ ابو یعقوب کے پورے دور حکومت 1163-1184 میں ابن رشد کو برابر عزت ملتی رہی۔ اس

ابن رشد عالم اسلام کی بلند قامت شخصیات میں سے ایک ہیں۔ وہ اپنے عہد کے اہمین کے بحر عالم، زبردست، فقیہ، عظیم مفکر، حافظ طبیب اور فلسفیوں کے سرخیل تھے۔ جو مذکورہ علوم کے علاوہ دیگر علوم میں بھی حیرت انگیز دست گاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے ارسطو کی 38 کتابوں کے علاوہ اس کی کتاب ”الموسیقی“ کی شرح بھی لکھی۔ علم ہیئت اور فلکیات پر ان کی لکھی کتابیں چھ سو برس تک یورپ میں پڑھائی جاتی رہیں۔ ابن رشد کی شرحوں نے یورپ کی توجہ ارسطو کی جانب مبذول کرائی۔

ابن رشد نے 75 برس عمر پائی۔ ان کا پورا نام ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد تھا۔ یورپ میں ایوروس (Avomos) کے نام سے مشہور ہیں۔ 520ھ مطابق 1126ء میں بمقام قرطبہ پیدا ہوئے۔ یہ اپنے زمانے کے مشہور عالموں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے پردادا محمد بن احمد کا اپنے عہد کے نامی گرامی عالموں میں شمار تھا۔ دادا قرطبہ کے فقیہ اور قاضی تھے والد گرامی بھی منصب قضاء پر فائز رہے۔ خاندان کا علمی ماحول ابن رشد کی تعلیم و تربیت کے لیے اولین درس گاہ تھا۔ انھوں نے طب، فلکیات، طبیعیات اور فلسفہ کی تحصیل کی۔

ابن رشد نے فقہوں اور عالموں کے گھرانے میں آنکھ کھولی لہذا ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں کے زیر اثر پائی۔ پہلے زمانے میں اس باپ اولاد کے لیے یہ دعا مانگا کرتے تھے: ”یا اللہ! یہ بچہ تیری امانت ہے ہم اسے دین کی سر بلندی کے لیے وقف کرتے ہیں“۔ اللہ تعالیٰ



دوران وہ ایشیالیہ اور قرطبہ کے قاضی بھی رہے۔

ابن رشد کی فلسفیانہ تحریروں میں فصل المقال فیما بین الحکمة والمشریعة من الاتصال اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔ اس میں انھوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں فلسفہ اور منطق کے علوم میں غور و فکر کرنے کو واجب بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان علوم میں صرف کامل قیاس یا رہبان کے ذریعے غور و خوض کرنا جائز ہے۔ قیاس عقلی میں غور و خوض کرنے کو واجب ٹھہراتے ہوئے وہ کہتے ہیں: حکیم

کے لیے اپنے پیشروؤں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ نیز ان کے مطابق انسانی عقل کے کمرات بعد کے آنے والے حکماء کے لیے جائز و رد ہیں۔ اس لیے متاخرین کے لیے لازمی ہے کہ وہ حقد میں سے استفادہ کریں مگر اس کے ساتھ ساتھ ابن رشد حق تنقید کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اس میں جو حق

کے موافق ہو اسے قبول کر لیتے ہیں اور جو حق کے خلاف ہے اس پر اعتراض کر کے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

ابن رشد کے زمانے میں یہ عام قول تھا کہ فلسفہ کی کتابوں کے مطالعہ سے انسان گمراہ اور کافر ہو جاتا ہے۔ ابن رشد لکھتے ہیں ”اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل نظر اور صاحب بصیرت کو بھی ان کتابوں کے پڑھنے سے روک دیا جائے۔“

فلسفہ میں ابن رشد کی دوسری معرکہ الآراء تصنیف ہے تنہافہ التنہافہ اس کتاب میں وہ ایک ایسے مفکر کے روپ میں نظر آتے ہیں جو فلسفہ کی باریکیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ انھوں نے یہ کتاب امام غزالی کی تنہافہ الفلاسفہ کی تردید میں لکھی ہے۔

ابن رشد نے فقہاء کے قیاس کو صرف غلطیات پر مبنی قرار دیتے ہوئے کہا: ”اگر اجماع یقینی طور پر ثابت ہو جائے تو اس وقت تاویل

سے کام لیتا جائز نہیں، لیکن اگر یہ قطعی طور پر ہی ثابت ہو تو تاویل سے کام لیتا جائز ہے۔ اس لیے ابوحامد غزالی اور ابوالحالی وغیرہ کا کہنا ہے کہ تاویل سے اگر اجماع کے خلاف معنی اخذ کیے جائیں تو تکفیر لازم نہیں آتی۔“ امام غزالی کے اس قول کو ابن رشد نے خود ان کے خلاف بطور تبھیار استعمال کیا ہے۔ انھوں نے سوال اٹھایا ہے کہ مسلمان فلسفیوں فارابی اور ابن سینا کے بارے میں کیا کہا جائے جنھیں امام غزالی نے تین مسکوں کی بنا پر کافر کہا ہے۔ حالانکہ امام موصوف نے الصفارہ بین الزندقہ والاسلام میں وضاحت کی ہے کہ اجماع کی مخالفت کی بنیاد پر کسی شخص کی تکفیر احتمال ہے۔ اس لیے ان کے قول کی روشنی میں فلاسفہ اسلام کی تکفیر قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتی۔

عورتوں کے مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کرنے کی جس طرح وہ وکالت کرتے ہیں یہ نہیں لگتا کہ ہم آٹھ سو سال قبل کے کسی قاضی کی مجلس میں بیٹھے ہوں بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے بیسویں صدی کا کوئی روشن خیال دانشور ہم سے گفتگو کر رہا ہے۔

ابن رشد کے افکار کی جدت، معنی آفرینی، فراز کمال ان کے سیاسی اور سماجی فلسفہ میں نمایاں ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے شوح جمہوریہ الملائطون کے نام سے افلاطون کی تصنیف جمہوریت کی شرح بھی لکھی ہے جو

عبرانی اور لاطینی زبانوں میں محفوظ ہے۔ ابن رشد ملوکیت کے مقابلے میں جمہوریت کے حامی ہیں ان کا کہنا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں عربوں کی حکومت افلاطونی نظام جمہوریت کے مطابق تھی مگر اموی خلیفہ نے اس نظام کو بدل ڈالا اور اس کی جگہ استبدادی حکومت قائم کی جس کے نتیجے میں اسلامی قلمرو میں انتشار پیدا ہوا۔ عورتوں کے مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کرنے کی جس طرح وہ وکالت کرتے ہیں یہ نہیں لگتا کہ ہم آٹھ سو سال قبل کے کسی قاضی کی مجلس میں بیٹھے ہوں بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے بیسویں صدی کا کوئی روشن خیال دانشور ہم سے گفتگو کر رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

”ہم نے جس غلامی کی حالت میں اپنی عورتوں کو پالا پوسا ہے اس سے ان کی تمام اعلیٰ فطری قوتیں محض ہو گئی ہیں اور ان کے عقلی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ یہ امر تمدن کی سخت ترین تخریب اور انحطاط کا



1925ء میں شائع ہوا۔

فی زمانہ ابن رشد سے متعلق انگریزی، فرانسیسی اور عربی کے علاوہ اردو میں بھی کافی معلومات مہیا ہیں۔ اس ضمن میں مولانا عبدالسلام ندوی کی کتاب ”حکمائے اسلام“ اس سلسلے کی ایک مفصل تصنیف ہے۔

ابن رشد سے متعلق یہ تحقیق درست نہیں کہ وہ یہودی اہلسن تھے۔ وہ خالص عرب تھے اور مسلک کے اعتبار سے حنفی۔ البتہ یہودیوں کے یہاں انھیں خاص اہمیت حاصل تھی۔ مشہور یہودی فلسفی میوند اور موسیٰ ابن میمون نے ان کی متعدد عربی کتابوں کے عبرانی میں ترجمہ کیے۔ ان کی بیشتر کتابوں کے عبرانی اور لاطینی تراجم مغربی ممالک کی لائبریریوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عبرانی زبان میں تورات کے بعد ابن رشد کی تصانیف سے زیادہ کسی اور عالم دین کی کتابوں کی اتنی کثیر اشاعت نہیں ہوئی۔ تاہم یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ان کی اکثر کتابوں کے عربی متن ناپید ہو چکے ہیں۔

ابن رشد خلیفہ المصور کے عہد میں عتاب کا شکار ہوئے اور چار سال کے لیے علائے وقت کے متفقہ فیصلے کی وجہ سے ایک یہودی ہستی میں شہر بدر کیے گئے۔ یہاں تنگ ذہنی اور فاقہ مستی کے سبب ان کی صحت بہت متاثر ہوئی۔ خلیفہ منصور کے حکم پر ان کی تمام فلسفے کی کتابیں جلادی گئیں لیکن طب، نجوم اور حساب دانی کی کتابیں بچ گئیں۔ اشبیلیہ میں منصور کے علم میں یہ بات آئی کہ ابن رشد سخت مصائب کا شکار ہیں تو اس نے باپ کے ایک خاص درباری کی نسبت فرمان جاری کیا کہ اگر وہ قرطبہ کی جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سب کے سامنے معافی مانگیں تو ان کا قصور معاف کیا جاسکتا ہے۔“ الحاد اور بے دینی کے الزام کے ہوتے ان کا بیچ لگنا یہ ثابت کرتا ہے کہ شواہد کمزور تھے۔

حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ان کی عقل کی روشنی خود ان کے حق میں مصیبت بن گئی تھی۔ یہی کچھ ابن رشد کے ساتھ ہوا، ان کی عقل، فہم و فراست خود ان کے حق میں سم قائل ثابت ہوئی وہ اپنے ہی

موجب ہے کیونکہ غور توں کی تعداد مردوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ گویا وہ دنیا کی مجموعی آبادی کا دو تہائی ہیں لیکن وہ باقی ایک تہائی کے جسم پر فطنی حیوان کی طرح زندگی بسر کرتی ہیں، وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنی ضروری قوتوں کی تکمیل سے عاجز ہیں۔“

آفتاب علم ابن رشد کے مطلع پر طلوع ہونے سے قبل نویں، دسویں صدی میں اسپین کی مسلم تہذیب اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، غرناطہ، مرسیہ، الحمیر یہ میں مسلمانوں کی قائم کردہ عظیم الشان یونیورسٹیوں اور تحقیقاتی اداروں میں علم تیزی سے ارتقائی منزلےں طے کر رہا تھا۔ ان اداروں میں یورپ کے مختلف حکموں کے طلبہ، تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ قیام اسپین کے دوران وہ مسلمانوں کی سائنسی اور علمی ترقی سے مسحور ہو کر جب اپنے شہروں کو لوٹتے تو مسیحی مغرب کی علمی تاریکی خار بن کر ان کے پیچھے میں چھیتی۔ وہ اس کا برملا اظہار کیا کرتے تھے کہ عیسائی مذہب اعلیٰ تعلیم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

قرطبہ کو اپنے علمی کارناموں اور ثقافتی اور تہذیبی وراثت کے سبب آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جملہ محضرہ ہے سنتے چلے، مسلمانوں نے تقریباً سات سو سال تک اسپین، قرطبہ اور اشبیلیہ پر حکومت کی لیکن یہ کتنے عجب کی بات ہے کہ آج وہاں اسلام کا نام لیا کوئی نہیں۔ 1492ء میں فرانس کے بادشاہ فردی نند اور اس کی فطین بیوی از ایلا کی ریشہ وادنیوں کی بدولت اس عظیم تر اقتدار کو زوال آیا۔ اور پچاس سال کے قلیل عرصے میں مسلمانوں کو وہاں سے حتمی طور پر بے دخل کر دیا گیا۔ (1992ء میں اسپین نے اپنی فتح کا پانچ سو سالہ جشن منایا جو درحقیقت مسلمانوں کو اسپین سے بے دخل کرنے کا جشن تھا۔ عرب حکومتوں میں حکمران طہقے میں تاریخی بے شعوری کے سبب متعدد حکومتوں کے اعلیٰ دفود نے اس جشن میں شرکت بھی کی اور داد کے ڈوگرے بھی بر سائے۔ مرتب)

فرانس کے مشہور مصنف و عالم پروفیسر ریٹا نے ابن رشد کے حالات زندگی، فلسفے اور علمی کارناموں پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ حیدر آباد دکن میں جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ سے

میگزین کے 3 دسمبر 1985ء کے شمارے میں ایک مغربی مضمون نگار نے انھیں قرون وسطیٰ کا سب سے اثر انگیز مفکر قرار دیا۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ڈومینکن جیسائیوں نے ابن رشد کی تردید میں قلم اور طاقت دونوں استعمال کیے۔ ڈومینکن کلیسا کے ہاتھ میں پاپائے روم کی حکومت نے ”الکوتھرش“ محکمہ احتساب کا رسوائے زمانہ ہتھیار تھما دیا جس کا مقصد لوگوں کے اعمال و عقائد کو دائرہ احتساب میں محدود کر کے چھان بین کرنا تھا۔ احتساب کے اختیار کے تحت اہل کلیسا معمولی شک اور گناہ شکایت کی بنیاد پر کسی بھی شخص کو گرفتار کرنے کے مجاز تھے۔ 1478ء میں ملکہ ازابیل کے حکم پر صرف اسپین میں دو ہزار عیسائیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ یہ دردناک عذاب تہ خانوں میں دیئے جاتے تھے، جہاں ان کی چیخ و پکار سننے والا کوئی نہیں تھا۔ ڈاکٹر غلام قادر لون لکھتے ہیں: ”1481ء سے 1808ء تک سارے یورپ میں تین لاکھ چالیس ہزار لوگ فلسفہ ابن رشد پڑھنے کی پاداش میں سزایاب ہوئے۔ جن میں 32 ہزار کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ ہزار ہا افراد کو شک کی بنیاد پر قبروں سے نکال کر ان کی ہڈیوں کو آگ میں جھونکا گیا۔ ڈومینکن فرقے کے نزدیک الحاد، بے دینی، اور آزاد خیالی کی اصل جزا ابن رشد تھے۔ یورپ کی نشاۃ الثانیہ کے بڑے بڑے سائنسدان اور مفکر ابن رشد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر تھے۔ راجر ٹیکن اور لیونارڈو ڈاؤنچی 1552ء/1519ء اور برنو 1600ء سمیت سائنسدانوں پر ان کا گہرا اثر تھا۔ برنو ابن رشد کو برحق مانتے تھے۔ انھوں نے وحدت علت العلل اور تعدد عوالم پر اپنے خیالات کا اظہار تحریری اور تقریری دونوں صورتوں میں کیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ کائنات غیر محدود اور لامتناہی ہے۔ فلسفہ ابن رشد عیسائی تعلیمات سے راست متصادم تھا۔ یہ فلسفہ عوام اور خواص دونوں کو متاثر کر رہا تھا لیکن پادری اسے مذہب کے لیے خطرہ سمجھ رہے تھے۔ برنو نے پادریوں کے دست جفا سے بچنے کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے۔ سوئزرلینڈ، فرانس، انگلینڈ اور جرمنی میں مارے مارے پھرے لیکن احتساب کے کارندوں نے چچانہ چھوڑا۔ بالآخر ذلت کے ساتھ

ہم عمروں میں محاصرانہ چٹمک کا شکار ہوئے۔ صبر کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ سزا کی منسوخی کے بعد وہ پھر دربار سے منسلک ہوئے مگر شہر بدری کی صعوبتوں اور دل کی شکستگی کے باعث موت نے انھیں زیادہ مہلت نہیں دی۔ سال بھر کے اندر اندر وہ مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کے اخلاق کریمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار سر بازار کسی نے انھیں برا بھلا کہنا شروع کیا تو انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے اس کا شکر یہ ادا کیا اور کہا: آپ کی بدولت انھیں اپنی غمخوئی صلاحیت آزمانے کا موقع ملا۔ ساتھ ہی انھوں نے اسے یہ نصیحت بھی کی کہ یہ سلوک کسی اور کے ساتھ نہ کرنا، کیونکہ ہر شخص اس قسم کے احسان کا قدروان نہیں ہوتا۔

ان کی تصانیف کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے ان کی تصانیف کی تعداد 75 بتائی ہے۔ دیال لابری کے ایک عربی نسخے میں جہاں ابن سینا اور فارابی کی تصانیف کی فہرست ہے، وہاں ابن رشد کے نام کے آگے فلسفہ، طب، فقہ اور کلام پر 78 کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ معلوم کتابوں میں مجموعی طور پر فلسفے اور منطق پر 28، اصول فقہ پر 8، علم کلام پر 6، علم ہیئت پر 4 اور علم نجوم پر 4 کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔

ابن رشد نے جو علمی خدمت انجام دی ہے وہ ان کی غیر معمولی ذہانت و فطانت، ذوق و شوق، تجسس علمی، مستقل مزاجی، اعلیٰ تدبیر کو ثابت کرتی ہے۔ افلاطون کی الجھمہ و دیہ پر ان کی لکھی شرح سے یورپ نے حکومت کرنے کے نئے گرے کیے۔ 1974ء میں فرانس کے بادشاہ لوئی یازدہم کے حکم سے ابن رشد کی وہ تمام کتابیں نصاب میں شامل کر لی گئی تھیں جن کا تعلق ارسطو سے تھا۔ ارسطو کی کتابوں کی شرحیں لکھنے کی بنا پر یورپ نے ابن رشد کو شارح اعظم کے لقب سے نوازا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن رشد کے علمی نظریات نے یورپ کے علمی حلقوں میں ایک عظیم فکری اور ذہنی انقلاب کو جنم دیا اور توہمات اور جہالت کے گھناؤپ اندھیروں میں دانش مندانہ سوجھ بوجھ کے چراغ جلانے۔ یورپ کی ذہنی بیداری اور نشاط ثانیہ ان کے ذکر سے لبریز ہے۔ نام



صرف کیے۔ عملی زندگی میں سرکاری مصروفیات کے باوجود انھوں نے اس علمی کام کو بیشکل تمام جاری رکھا۔ اپنی الجھنتوں کو وہ یوں بیان کرتے ہیں۔

”میں مجبور ہو گیا ہوں صرف اہم مسئلوں تک محدود رہنے پر، میری مثال اس شخص کی سی ہے جس کے چاروں طرف آگ لگی ہو اور جس کے پاس اتنا موقع بھی نہ ہو کہ وہ بے حد ضروری اشیاء بھی ساتھ لے لے اور اپنی جان بچالے۔“

ابن رشد نے مراکش میں وفات پائی اور تاخوذت نامی قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔ تین ماہ بعد ان کی ہڈیاں وہاں سے نکال کر قرطبہ لائی گئیں اور انھیں اپنے باپ دادا کے آبا کی مقبرے ابن عباس میں دفن کیا گیا۔ نماز جنازہ میں ابن عربی بھی شریک تھے جو اس وقت جوان سال تھے۔ یہ 9 صفر 595ھ مطابق 11 دسمبر 1198ء کا واقعہ ہے۔

م گرفتار ہوئے اور چھ سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کا سب سے سنگین جرم یہ تھا کہ وہ ابن رشد کے قعد و عوالم کے قائل ہیں جو انجیل مقدس کے مفہوم اور آیتوں کے خلاف ہے جن پر انسان کی نجات کا دار و مدار ہے۔ بروٹو اگر تو پہ کر لیتے تو ان کی جان بچ جاتی لیکن انھوں نے آزادی ضمیر کے لیے اپنی جان کی پروا نہیں کی۔ حکام نے فیصلہ سنایا کہ انھیں بے حد زنی سے سزا دی جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ان کے خون کا ایک بھی قطرہ زمین پر نہ گرنے پائے۔ ان موقعوں پر اس بات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو زندہ آگ میں جلادیا جائے۔ مفکر جلیل بروٹو اور دینی کو باترتیب 1600ء اور 1629ء میں زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ مائیکل سرفیس 1553ء میں آگ پر بھونے لگے تھے۔

کیا طرف تماشہ ہے۔ ابن رشد کے افکار سے وہ لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جن کی جانب سے یہ سزائیں تجویز ہو رہی تھیں۔ ہالینڈ کے رہنے والے پادری ہرمن ریزویک نے 1505ء میں عیسائی عقائد کو خیر باد کہا جس پر وہ فوری طور پر گرفتار ہوئے اور انھیں جس دوام کی سزا سنائی گئی۔ دس سال بعد جب ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں پائی گئی تو انھیں جلادینے کا حکم صادر ہوا اور وہ بیدردی سے جلادینے لگے۔ مرنے سے پہلے انھوں نے کہا ”تمام علماء میں سب سے افضل ارسطو اور ان کے شارح ابن رشد ہیں۔ یہ دونوں حقیقت سے قریب ہیں۔ انھیں کے ذریعے مجھے ہدایت ملی اور انھیں کے توسط سے میں نے اس راز کو پایا جو اب تک میری نظروں سے اوجھل تھا۔“ بد الفاظ دیگر انھوں نے عیسائیت کا انکار کر دیا تھا۔ دور حاضر کے مشہور زمانہ برطانوی فلسفی برٹنڈ رسل لکھتے ہیں۔ ”ابن رشد مسلم فکر سے زیادہ عیسائی فلسفے میں اہمیت کے حامل ہیں۔ الفرڈ گیلیم کا کہنا ہے: ”ابن رشد مشرق کی پرفہم یورپ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔“ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے مغرب میں اپنے عہد کے بلند پایہ فضاء کی توجہات اپنی طرف مبذول کیں جبکہ اسلام میں ابن رشد کو کبھی یہ مقام حاصل نہ ہو سکا۔“

ابن رشد نے عمر کے پچاس سال تحقیق، تصنیف و تالیف میں

Topsan®

BATH FITTINGS

Top Performing Taps



**SERIES
DELUXE**

MACHINOO TECH

Factory 1437 Email: topsan@ndg.vn.net.in

انفروس کی جانب سے تقسیم انعامات

ڈاکٹر عقیل احمد

تعلیم کے دو اجزاء ہیں۔ ایک تزکیہ نفس و مبرا حصول تعلیم۔ کسی نفس کو تزکیہ کے بغیر اگر تعلیم کتب دے دی جائے، چاہے وہ خود ساختہ دینی خیمہ سے ہو یا پھر عصری علوم سے وہ اسے بہترین انسان ہرگز نہیں بنا سکتی، بلکہ اسے نفس پرستی کے اوزار فراہم کرتی ہے۔ اس مکمل تعلیم کے حصول کے لیے لائحہ عمل کیا ہو؟ اس کو قرآن نے بخوبی پیش کیا ہے، جسے چاہئے سمجھنے اور عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انجمن کے تعلیمی مقاصد کا سائنس سے کیا تعلق ہے؟ دراصل انجمن، سائنس کے فروغ کے ضمن میں محض اس خاص مضمون کو فروغ دینا نہیں چاہتی جو اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے بلکہ اس سائنسی طرز فکر کی ترویج کرنا چاہتی ہے جس

انجمن فروغ سائنس (انفروس) کی طرف سے 26 اگست 2007ء بروز اتوار، بچوں کے گھر، دریا گنج میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں دسویں اور بارہویں کلاس میں داخل آنے والے طلباء و طالبات کو انعامات سے نوازا گیا۔ طلباء و طالبات پرانی دہلی کے ان اسکولوں سے چنے گئے جو یا تو اردو میڈیم میں تعلیم فراہم کرتے ہیں، یا اردو ایک مضمون کے طور پر پڑھاتے ہیں۔ اس پرگرام کا مقصد بچوں کی حوصلہ افزائی اور ان کی ایک پیچون بنانا تھا۔ علاوہ ازیں یہ جلسہ ملاستی طور پر اس خاص مقصد کا اظہار بھی تھا جس کے لیے انجمن پندرہ سال سے دوڑ دوپ کر رہی ہے، کہ انسان کی ضرورت ”مکمل تعلیم“ ہے۔ اس مکمل



محمد ناصر صاحب پرنس گورنمنٹ سینئر سیکنڈری اسکول جامع مسجد جسکی کارروائی شروع کرتے ہوئے۔
 اسٹیج پر (دائیں سے بائیں):
 جناب کلیم صدیقی صاحب،
 جناب سید حامد صاحب،
 ڈاکٹر محمد اسماعیل پریز، سیکریٹری انجمن فروغ سائنس اور ڈاکٹر شمس الاسلامی رونی صدر انجمن دیکھے جاسکتے ہیں۔



سامعین کا ایک منظر

نہیں تے جو اکت میری ذاکر غلام احمد سامعین کو خطاب کرتے ہوئے۔

منطقی اور فلسفیانہ دلائل سے جدل نہیں کرے گی بلکہ اللہ کی ایک ایک آیت کو آنکھوں سے دکھا کر، کانوں سے سنا کر ان کی صحیح تاویل کو دلوں تک پہنچائے گی۔ مگر افسوس! آج اس کے لیے یہ مقام اسی تو بہت دور رہا، وہ تو تعلیم کو الحاد اور جہالت کو قارہ سمجھتی ہے۔

بس اسی مقصد کے تحت کی جانے والی سلسلہ وار کوششوں کی ایک نئی یہ پروگرام بھی تھا، جس میں بچوں، والدین اور اس تہذیب کی بات سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ جلسہ میں جہاں سید حامد صاحب (چانسلر جامعہ ہمدرد) نے بصیرت افروز مشوروں سے نوازا وہیں ایک جید عالم دین جناب کلیم صدیقی صاحب نے یہ بزور دلائل ثابت کیا کہ جہالت حرام ہے، اور آج ہمیں اسی علمی جنون و رہ بند کردار کی ضرورت ہے جس کے حصوں کے بعد ہمارے باہر اجداد نے پوری دنیا کو جنت بنانے اور جنت کی طرف لے جانے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ اس لیے دنیا نے انھیں پتوں پر بٹھایا، انھیں حکومتیں سونپ دیں۔ اس دور کے سب سے پڑھنے لکھنے والے لوگ بھی ہم ہی تھے، سب سے زیادہ مالدار بھی ہم ہی تھے، اور سب سے بڑی سیاسی طاقتیں بھی ہمارے زیر نگیں تھیں۔

میں علم کے حصوں کا اور ہر شے کو جاننے کا جنون ہوتا ہے۔ وہ اردو داں طبقہ جس کی اکثریت کا مذہبی تعلق اسلام سے ہے، اس سے اس بات کی سب سے زیادہ توقع تھی کہ ایک خدا کا اقرار کرنے والی اور اپنے آپ کو دنیا میں خلیفہ کہنے والی قوم خدا کی آیات قون (قرآن کریم) اور اس کی آیات فعلی (یہ کائنات اور سائنسی انکشافات) کا بھرپور احاطہ کرے گی، جس سے اولاً تو خود کو ہی یقین کی پختگی اور دلی اطمینان حاصل ہوگا، ثانیاً دوسروں کو پیغام حق سننے میں محض



سید حامد صاحب نور محمد سینئر سینڈری اسٹس جامعہ مسجد (نہ 1) کے طالب علم محمد عامر کوہرہوی (سائنس) میں بہترین نمبر حاصل کرنے پر غماز دیتے ہوئے۔



اُردو اکادمی دہلی



(دہلی سرکار)

اردو اکادمی دہلی راجدھانی میں اردو زبان کے شعروادب اور اردو صحافت کے فروغ کے لیے انتھک جدوجہد کر رہی ہے اور اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر اردو کی ترقی کے لیے جو سرگرم اور فعال رول ادا کر رہی ہے اس سے نہ صرف قومی دارالسلطنت کے علاقہ میں اردو کی عظیم رفت کی بازیابی کا مکمل تیز تر ہوا بلکہ اس کے لیے ایک خوشگوار اور خواصا افزاء ماحول بھی پیدا ہوا ہے۔ دہلی کی منتخب سرکار نے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا فیصلہ بھی کیا۔ اردو اکادمی کی یہ بھی خوش نصیبی رہی ہے کہ اس کے چیئر پرسن اور دہلی کی وزیر اعلیٰ محترمہ شیلادکشت اردو کی گچی بھرد ہیں اور وہ اس زبان کو اس کا جائز حق دلانے کی حقی الوبح کوشش کر رہی ہیں۔ اکادمی کے وائس چیئر مین پروفیسر قمر رئیس کی ذاتی دلچسپی اور اردو زبان وادب سے بے لاگ محبت نے اکادمی کی کارگزاریوں کی رفتار سے تیز تر کردی ہے۔ ان کی سوجھ بوجھ اور وسعت قلبی نے اکادمی کا نام ملک اور بیرون ملک روشن کیا ہے۔ اردو اکادمی، دہلی کی ترویج و ترقی کے لیے پانچ سب کمیٹیوں کے مشوروں اور ریگینیو کیٹی و گورننگ کونسل کے فیصلوں کے مطابق کام کرتی ہے۔

مالی سال 2007-2008ء کے لیے اردو اکادمی، دہلی کے چند اہم منصوبے

- 1- ادیب عالیہ کے حوالے سے کلہنکی ادباہ و شعراء پر 28 مونیو گراف تیار کرانے گئے ہیں جن میں سے بیشتر عنقریب منظر عام پر آنے والے ہیں۔ 1857ء کے حوالے سے بھی کچھ نادر و نایاب کتب کے ری پرنٹ اور کچھ نئی کتابیں بھی شائع کی جائیں گی۔ دہلی کے نامور اردو فکھکاروں، صحافیوں، عالمان اور اردو اخبارات و علمی جرناہ نیز اردو سے تعلق رکھنے والے اداروں کی ایک ڈائریکٹری تیار کرانے کی اسکیم بھی تیار کی گئی ہے۔
- 2- اکادمی نے اس سال مندرجہ ذیل سینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ (1) اردو تھیم کے سائل (2) اردو میں تحقیق و تنقید معیار و مسائل (3) اردو ادب میں ہندوستانی فکر و فلسفہ (4) اردو مشاعرہ کی روایت ک۔ اور زوال۔ اس کے علاوہ ایک قومی سینار 1857ء کی جدوجہد سے متعلق ملک کی تمام ریاستی اردو اکادمیوں کے اشتراک سے منعقد کرنے کا منصوبہ بھی بنایا گیا ہے۔
- 3- اردو اکادمی، دہلی میں قائم اردو کمپیوٹر ترقی مرکز کے علاوہ ایک مرکز تفصیل بند شہر اور ایک مرکز جناباہ کے علاقے میں کھولنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔
- 4- اکادمی کے اردو خواندگی مراکز سے فارغ طلباء کے بے پیشل اوپن سکول کے اشتراک سے دس مراکز کھولنے کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ ان طلباء کو روایتی تعلیم حاصل کرنے کا اہل بنایا جاسکے نیز دو کیشنل ٹریننگ سینٹر کھولنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے جن میں خاص طور سے طالبات کو سلائی کڑھائی اور بیوٹی کلچر کی تربیت دی جائے گی۔
- 5- اردو اکادمی نے ممتاز اردو اسکالرز فیلوشپ جاری کرنے کی اسکیم کو اصولی طور پر منظور کر لیا ہے، جس کے قواعد و ضوابط ترتیب دیے جا رہے ہیں۔
- 6- اردو اکادمی نے دہلی کے ان علاقوں میں جہاں اردو پڑھنے والے کثیر تعداد میں رہتے ہیں، مایہجریاں / ریڈنگ روم قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس کے لیے مناسب جگہوں کی تلاش کی جا رہی ہے۔
- 7- اکادمی کی جانب سے بیسویں صدی کی اہم علمی و ادبی شخصیات کی طویل مدتی خدمات کے اعتراف میں شامس منعقد کی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اکادمی نے اس سال سے ”نوائے امرور“ کے تحت دہلی کے ان ادباہ و شعراء کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے جو اپنا مقام بنا چکے ہیں اور مقن سخن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان ملاقاتوں میں ان کی تحقیقات کا تنقیدی تجزیہ کیا جاتا ہے تاکہ ان کی تخلیقات میں مزید نکھار پیدا ہو۔

جاری کردہ : اردو اکادمی، دہلی، سی۔ پی۔ او۔ بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی



نام۔ کیوں۔ کیسے

جلیل احمد

Barometer (بیرومیٹر)

ایک فٹشری میز اسے الٹا کر اس کا سر ڈبو دیا۔ جب اس نے اپنا انگوٹھا ہٹایا تو پارے کا کالم برتن میں پارے کی سطح سے تیس انچ بلندی تک قائم رہا اور باقی سارے حصے کا پارہ برتن میں آگرا یعنی ہوا کے دباؤ نے اس کا کمزور حصہ اتنی بلندی تک ہی سہارا دیا اس سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ س تین فٹ لمبی ٹی کے اوپر والے چھ انچ کے حصے میں خد (Vacuum) پیدا ہو گیا۔ خلا کا لفظ ”خالی“ سے نکلا ہے۔ اسی طرح Vacuum کا لفظ لاطینی زبان کے ”Vacuus“ (خالی) سے نکلا ہے۔ یہ انسان کا پیدا کردہ پہلا باقاعدہ خلا تھا۔ اسی طرز پر پیدا کیے جانے والے خلا کو آج بھی ٹوریسیلین خلا (Torricellian Vacuum) کہتے ہیں۔ 1648ء میں ایک فرانسیسی رافیت دان ہیر پاسکل (Blaise Pascal) پارے کی ایک ایسی ٹی کو دامن کوہ میں لے گیا تھا۔ یہ تو معلوم ہے کہ جیسے جیسے کسی چیز کو بلندی پر لیتے جاتے ہیں ویسے ویسے اس پر دباؤ ڈالنے والی ہوا کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ اس کم مقدار کی ہوا کا وزن بھی ”ظاہر ہے“ کم ہوگا اور یوں یہ سطح سمندر پر موجود ہوا کی نسبت کم دباؤ ڈالے گی۔ اور جب دباؤ کم ہوگا تو پارے کا کالم بھی مزید نیچے گرے گا۔ چنانچہ پاسکل کے تجربے میں ایسا ہی ہوا۔

پارے کی ایسی ٹی آج بھی ہوائی دباؤ معلوم کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کو بیرومیٹر (Barometer) کہتے ہیں۔ یہ لفظ یونانی الاصل ہے۔ یونانی زبان کے ”baros“ (وزن، جو بھل پن) اور ”metron“ (ماپنا) کے مجموعے سے بننے والے اس مرکب لفظ کے معنی ہوا کا ”وزن ماپنا“ بنتا ہے۔ یعنی یہ آلہ ہوا کے دباؤ کی پیمائش کرتا ہے۔

اگر آپ پانی میں ایک ٹنگی ڈبو کر اس میں سے پانی اوپر کھینچیں تو اس میں پانی اوپر چڑھ آئے گا حتیٰ کہ یہ اوپر تک پہنچ جائے گا۔ لیکن اگر ٹنگی 33 فٹ سے زیادہ لمبی ہو اور سیدھی کھڑی ہو تو منہ سے پاکی بھی قسم کے میکانیکی پمپ سے پانی اوپر کھینچنے کی کوشش کریں۔ پانی ٹنگی والے سرے تک کسی بھی صورت میں نہیں پہنچے گا۔ ٹنگی کے ماہر طبیعیات گلیلیو گلیلی جب اس طرح پانی اوپر کھینچنے میں ناکام رہا تو اس نے اس معاملے پر بڑا غور و فکر کیا لیکن وہ درست نتیجہ پر نہ پہنچا۔

تاہم گلیلیو کے شاگرد اوجیو پیلٹا ماری کلی نے اس مسئلے پر غور کر کے پہلی دفعہ یہ بتایا کہ پانی دراصل برتن یا کنویں وغیرہ میں پانی کی سطح پر موجود ہوا کے دباؤ کی دھکیل کے سبب اوپر چڑھتا ہے نہ کہ کھینچنے کی قوت کے زیر اثر۔ جب پانی کا کوئی کالم اتنی بلندی تک پہنچ جاتا ہے جہاں کنویں وغیرہ میں موجود پانی کی سطح پر اس کالم کے دباؤ کا وزن بیرونی دباؤ کے وزن کے برابر ہو جاتا ہے تو پھر یہ مزید بلند نہیں ہو سکتا۔

ماری کلی نے 1643ء میں پارہ (مرکری) استعمال کرتے ہوئے اس امر کی تصدیق کرنے کی کوشش کی۔ پارہ پانی سے ساڑھے تیرہ گنا بھاری ہوتا ہے۔ اس نے حساب لگا کر بتایا کہ ڈھائی فٹ لمبا مرکری کا کالم اتنا ہی دباؤ ڈالتا ہے جتنا کہ تینتیس فٹ لمبا پانی کا کالم۔ چنانچہ عام فضائی دباؤ پر پارے کا اتنا ہی لمبا کالم اوپر چڑھ سکے گا۔ ماری کلی نے ایک تین فٹ لمبی ٹی میں پارہ بھرا۔ پھر اس کے اوپر والے کھلے سرے کو انگوٹھے سے بند کر کے پارے سے ہی بھری ہوئی



لائٹ ہاؤس

Benzene (بنیزین)

انڈونیشیا میں ایک درخت پایا جاتا ہے جس کا نام benzoin یا benjoin ہے۔ یہ لفظ اصل میں ایک عربی ترکیب "لوبان جاوی" سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی "جاوا کا لوبان" ہے۔ اس درخت کی چھال میں شگاف دے کر اس سے ایک رال دار مادہ حاصل کیا جاتا ہے جسے گوند بنیزوئن (Gum benzoin) کہتے ہیں۔ اس رال سے ایک تیزاب باسانی حاصل ہوتا ہے جس کو بنیزوئک ایسڈ کہا جاتا ہے۔

1834ء میں ایک جرمن کیمیا داں ایلیارٹ میچرلچ (Eilhart Mitscherlich) نے بنیزوئک ایسڈ کو ایک ہائیڈروکاربن (ایسے مرکبات جن کے مالیکیول میں صرف کاربن اور ہائیڈروجن کے ایٹم ہوتے ہیں) میں تبدیل کیا اور اس کا نام "benzin" رکھا۔ پھر ایک اور جرمن کیمیا داں جسٹوس لیگ (Justus Liebig) نے اس پر اعتراض کیا کہ "ln" لاحقہ ایسے مرکبات کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں نائٹروجن موجود ہو اور چونکہ مذکورہ بالا مرکب میں نائٹروجن کا ایک بھی ایٹم نہیں ہوتا لہذا اس کے لیے یہ نام درست نہیں۔ اس نے اس کا نام بنیزول (Benzol) رکھا۔ اس میں "ol" کا لاحقہ دراصل جرمن زبان کے "ol" (یعنی تیل) کی علامت ہے۔

لیگ اپنے دور کا موثر ترین کیمیا داں تھا۔ لہذا اس کا دیا گیا یہ نام جرمنی میں آج تک درست سمجھا جاتا ہے۔ لیگ کی تو قیروانی جگہ بجائے لیکن سائنسی لحاظ سے یہ نام بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ کیمیا داں "ol" کا لاحقہ الکحل کے لیے استعمال کرتے ہیں جبکہ بنیزول کوئی الکحل نہیں ہے۔ اب انگلینڈ، فرانس، امریکہ اور ایشیائی ممالک میں اس مرکب کے لیے بنیزین (Benzene) کا نام استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ بہترین نام ہے کیونکہ "ene" کا لاحقہ ہائیڈروکاربن کے لیے مخصوص ہے اور یہ مرکب حقیقت میں ہے بھی ہائیڈروکاربن۔

بنیزین دراصل میچرلچ کے دور سے پہلے ہی دریافت ہو چکا تھا 1825ء میں ایک انگریز برقی کیمیا داں مائیکل فیراڈے (Michael Faraday) نے روشن چمکدار گیس سے حاصل ہونے والے ایک روغنی تھلٹ سے کچھ بنیزین حاصل کی۔ اس نے اس کا نام "Carburetted hydrogen" (کاربن آمیزی ہائیڈروجن) رکھا۔

تاہم 1837 میں ایک فرانسیسی کیمیا داں آگسٹ لارینٹ (Auguste Laurent) کیلک نے جرمن سائنسدانوں کو "Banzin" اور "Benzal" جھڑے میں چھوڑتے ہوئے اس کا نام فینو (Pheno) تجویز کیا۔ یہ یونانی زبان کے لفظ "Phainein" (چمکنے) سے ماخوذ ہے اور اس حقیقت کی غرضی کرتا ہے کہ یہ مرکب سب سے پہلے کسی چمکنے والی چیز (روشن گیس) سے حاصل کیا گیا تھا۔

یہ لفظ خود بنیزین کے لیے تو اتنا مقبول نہ ہو سکا لیکن جب بنیزین کا مالیکیول دوسرے ایسی مجموعوں سے منسلک ہوتا ہے تو فینائل گروپ (Phenyl group) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے لارینٹ کی بات بھی کسی حد تک مانی گئی۔ نیز جب بنیزین کے مالیکیول کے ساتھ ایک ہائیڈروکسل گروپ (ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایک ایک ایٹم کا مجموعہ) منسلک ہو تو اس سارے مجموعے کو فینول (Phenol) کہا جاتا ہے۔ یہاں "ol" کا لاحقہ کیمیا کی لحاظ سے بالکل درست ہے۔ کیونکہ فینول ایک طرح کا الکحل ہی ہے اور یہ لاحقہ اصولاً ہے بھی الکحل ہی کے لیے۔



کئی نئی خوشبو

عطر ہاؤس

عطر (99) مشک عطر (99) مجموعہ عطر

(99) جنت الفردوس نیر (99) مجموعہ عطر مسمی

کھوجاتی و تاج مار کہ سرمہ و دیگر عطریات

ہول سیل ورٹیل میں خرید فرمائیں

مغلیہ بالوں کے لئے جڑی بوٹیوں سے تیار مہندی۔

ہر بل حنا اس میں کچھ ملانے کی ضرورت نہیں۔

مغلیہ چندن اشمن جلد کو نکھار کر چہرے کو شاداب بناتا ہے۔

عطر ہاؤس 633 چٹائی قبر، جامع مسجد، دہلی۔ 6

فون نمبر 2328 6237



کچھ کھٹمل کے بارے میں !!

عبدالودود انصاری، آسنسول، مغربی بنگال

- 4- کھٹمل سے انسان کا بڑا ہی پرانا رشتہ ہے۔ شہر ہو یا دیہات وہ ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ کھٹمل خون چوسنے کے لیے بہت مشہور ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے منہ میں بہت ہی تیز باریک سوئیاں ہوتی ہیں جو کھٹل کو چسید کر گھس جانے اور پھر خون چوسنے کا کام کرتی ہیں۔ کبھی کبھی تو یہ سرخ رنگ کا ننھ سا کیزا طاقت ور اور بہادر انسان کا خون چوس کر اس کی نیند حرام کر کے اپنی برتری کا بے شک دہل اعلان کرتا ہے۔ شاید ہی وجہ سے یہ پتیلی بھی مشہور ہے پہلا آدھا کھٹ کھٹ میں باقی آدھا مل مل میں کر دیتا ہوں نیند حرام خون چوستا میرا کام
- 5- کھٹمل بے پر کا (Wingless) کیزا ہے۔ جسم اس کا چوڑا، چپٹا اور بیضی (Oval) شکل کا ہوتا ہے۔
- 6- سر اس کا دبکا ہوا (Squat) لیکن مونچھیں (Antennae) بڑی ہوتی ہیں۔
- 7- کھٹمل کے جسم کی لمبائی 6 ملی میٹر (0.25 انچ) تک ہوتی ہے۔
- 8- کھٹمل رات کا کیزا (Nocturnal Insect) ہے۔ یہ رات میں بڑا چاق و چوبند رہتا ہے۔ دن کو اندھیرے کی جگہ آرام کرنا پسند کرتا ہے لیکن سخت بھوک کی حالت میں شکار پلٹے پر دن میں بھی نکل کر اپنا پیٹ بھرتا ہے۔
- 9- کھٹمل کا اصلی رنگ ہلکا بھورا ہوتا ہے مگر سیر شرم ہونے پر اس کا رنگ زنگ کی طری سرخ (Rust Red) ہو جاتا ہے۔
- 10- کھٹمل کی مادہ سیر شرم ہونے کے بعد دن میں دراڑوں یعنی شکافوں میں کمروری جگہ اٹھ دیتی ہے۔ یہ ساری زندگی میں لگ بھگ 200 اٹھ دیتی ہے۔ اٹھ دینے کے
- 1- کھٹمل یا اڑس ہندی لفظ ہے جس کو عربی میں مٹان، قاری میں شب گز، بنگلہ میں چھار پوکا اور انگریزی میں (Bedbug) کہتے ہیں۔
- 2- یہ کیزے کی جس جماعت سے تعلق رکھتا ہے اس کا نام ہی پٹیرا (Hemiptera) ہے ویسے اس کا سائنسی نام Cimex Lectularius ہے۔
- 3- یہ کم و بیش ساری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اسے گرم اور مرطوب جگہ زیادہ پسند ہے۔



لانت ہاؤس

مر کر خون چوسنے لگتا ہے۔

23- کھٹل کو غذا نہ ملنے پر اس کی نشوونما میں کمی آ جاتی ہے لیکن جیسے ہی غذا فراہم ہو جاتی ہے پھر اس کی نشوونما میں تیزی آ جاتی ہے۔

24- کھٹل کے صرف کاٹنے پر نہ احساس ہوتا ہے اور نہ ہی درد ہوتا ہے درد اس وقت ہوتا ہے جب یہ اپنا لعاب جلد میں داخل کر دیتا ہے بلکہ اسی لعاب کے کیمیائی عمل کی وجہ سے سوزش (Irritation) بھی پیدا ہوتی ہے۔

25- کھٹل جب اپنا لعاب جلد میں داخل کر دیتا ہے تو کھجلی (Itch) پیدا ہوتی ہے اور متاثرہ حصہ سرخ ہو کر ابھر جاتا ہے۔

26- کھٹل کے چھوچر ہوتے ہیں اور یہ رینگ کر (Crawl) چلتا ہے۔

27- کھٹل ٹھیک صفاق کے قبل زیادہ کاٹتا ہے۔
28- کھٹل کی کثیر تعداد ایک جگہ جمع ہو تو ایک طرح کی ناگوار بو خارج ہوتی ہے۔

29- کھٹل کے دشمن انسان کے سوا شاذ و نادر ہی کوئی دوسرے جانور ہوں حتیٰ کہ کھجلی بھی اسے مزہ نہیں لگاتی ہے۔

30- کھٹل کے انڈے سے بچے نکلے ہیں تو ان کے بالغ ہونے تک وقفہ وقفہ سے پانچ مرتبہ ان کی کھال گرتی ہے اور نئی کھال نکلتی ہے۔ اسی کو سائنس کی زبان میں پر جھاڑنا (Moulting) کہتے ہیں۔

31- کھٹل کا شمار بیماری پھیلانے والے کیڑوں میں نہیں ہوتا ہے حقیقت صرف اتنی ہے کہ اس کے کاٹنے سے کھجلی ہو جاتی ہے۔

32- کھٹل سے بچاؤ کی تدابیر (i) سب سے پہلے بستر پر اسے چڑھنے سے روکا جائے۔

اس کے لیے ہلکے یا چار پائی کے پاؤں کے نیچے سے کم از کم 2 انچ اونچائی تک معدنی تیل یا وسلین (Vaseline)

زمانے میں روزانہ 12 انڈے کے حساب سے دیتی ہے۔

11- انڈوں سے بچے 6 سے 17 دنوں کے اندر نکلتے ہیں جو نمفس (Nymphs) کہلاتے ہیں۔

12- پیدائش کے وقت نمفس ہلکے پیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ غذا سے پین بھرنے کے بعد ان کا رنگ گہرا ہو جاتا ہے۔

13- بچے تقریباً دس ہفتوں میں بالغ جاتے ہیں۔

14- بچے پیدائش کے فوراً بعد ہی خون چوسنے کے قابل ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے ساتھیوں کا بھی خون چوسنے لگتے ہیں جن کے پیٹ خون سے بھرے ہوتے ہیں۔

15- خون چوسنے کے بعد کھٹل کا جسم پھول جاتا ہے۔

16- کھٹل انسانوں کا خون تو چوستا ہی ہے اس کے سوا بعض پستاندار اور گرم خون والے جانوروں کا بھی خون چوستا ہے۔

17- یہ انسانوں کے بدن کی گرمی اور اس کی خارج کی ہوئی کاربن ڈی آکسائیڈ گیس کی بو کو آسان سے محسوس کر لیتا ہے اور جیسے ہی محسوس ہو جاتا ہے فوراً کاٹنے کے لیے دوڑ پڑتا ہے چاہے بدن ہی کیوں نہ ہو۔

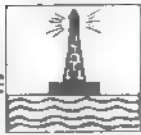
18- کھٹل خون چوسنے کے لیے پہلے اپنی سوٹھ (Proboscis) کو جلد پر اوپر نیچے کر کے جھومتا ہے اس کے بعد اپنے منہ سے لعاب داخل کرتا ہے۔ یہ لعاب خون کو جذب نہیں دیتا اس کے بعد وہ سب سے ملا ہوا خون چوسنے لگتا ہے۔

19- کھٹل کو سیر شکم ہونے میں 5 سے 10 منٹ لگتے ہیں۔

20- کھٹل عام طور پر 2 یا 3 مرتبہ لگا تار کاٹتا ہے۔

21- جب کھٹل صق تک خون چوس لیتا ہے تو پھر کسی پوشیدہ جگہ چھپ کر اطمینان کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتا ہے اور غذا کو آہستہ آہستہ ہضم کرتا ہے۔

22- کھٹل اگر کسی وجہ سے چار پائی یا بستر پر پہنچ نہیں پاتا تو دیوار پر چڑھ کر چھت (Ceiling) سے سونے والے کے جسم پر



لانٹ ہاؤس

لگا دی جائے۔

چاہئے۔
(iii) شدید کھجلی ہونے پر Calamine Lotion یا کوئی دوسری کریم لگانا چاہئے۔ شدید تکلیف ہو تو دافع درد دوائی کا استعمال کرنا چاہئے لیکن ڈاکٹر کے صلاح و مشورے کے بعد۔

34- وہ پودے جن سے مکمل بھگائے جاتے ہیں انہیں Bug Bug Wort یا Bane کہا جاتے۔
35- مکمل کی مینے بغیر کھائے چنے زندہ رہ سکتا ہے۔
36- مکمل کی اوسط عمر ایک سال ہوتی ہے۔

(ii) ضرورت پڑنے پر کیڑے مار دوائیاں (Pesticides) مثلاً جینٹرول (Gentrol) یا فائٹم (Phantom) استعمال کی جائیں احتیاط یہ برقی جائے کہ ان دوائیوں سے لحاف، گدے اور چادر وغیرہ محفوظ رہیں۔
(iii) گاہے گاہے پلنگ، چارپائی اور چوکی پر گرم پانی بہایا جائے۔
33- مکمل کے کانٹے پر
(i) کانٹے کی جگہ کو عفونت رفع صابن (Antiseptic) سے صاف کرنا چاہئے۔
(ii) پھولے ہوئے مقام پر لگا تار برف کے ٹکڑوں سے رگڑنا

محمد عثمان
9810004576

اس علمی تحریک کے لیے تمام تر نیک خواہشات کے ساتھ

ایشیا مارکیٹنگ کارپوریشن



asia marketing corporation

Importers, Exporters & Wholesale Supplier of:
MOULDED LUGGAGE EVA SUITCASE, TROLLEYS,
VANITY CASES, BAGS, & BAG FABRICS

6562/4, CHAMELIAN ROAD, BARA HINDU RAO, DELHI-110006 (INDIA)
phones 011 2354 23298 011 2362 1694 011 2353 6450 Fax 011-2362 1693
E-mail asiamarkcorp@hotmail.com
Branches Mumbai, Ahmedabad

ہر قسم کے بیگ، اٹیچی، سوٹ کیس اور بیگوں کے واسطے ٹائیلون کے تھوک بیو باری نیز امپورٹر و ایکسپورٹر
فون : 011-23543298, 011-23621694, 011-23536450, 011-23621693

پتہ : 6562/4 چمیلین روڈ، باڑہ ہندوراف، دہلی-110006 (انڈیا)

E-Mail osamorkcorp@hotmail.com



علم کیمیا کیا ہے؟ (قسط 14)

افتخار احمد، اسلام نگر، اردبے

(4) دوہری تحلیل (Double Decomposition) یا تہسی

تبادلہ (Mutual Exchange)

یہ اصطلاح تب استعمال کی جاتی ہے جب دو مرکب اشیاء کے ترتیبی اجزاء آپس میں ایک دوسرے سے جگہ تبدیل کر لیتے ہیں۔ اس میں پہلے تحلیل (Decomposition) ہوتی ہے پھر دوبارہ جڑنا (Recombination) ہوتا ہے۔ مثلاً پارے کے کلورائیڈ کو جب پوٹاشیم پیرائیڈ سے محلول حالت میں مدیا جاتا ہے تو تعامل کے بعد پارے کا آیوڈائیڈ اور پوٹاشیم کلورائیڈ وجود میں آ جاتا ہے۔



(5) ایٹم کی تنظیم نو (Rearrangement of Atoms)

اسے ہم شکلی (Isomorphism) بھی کہا جاتا ہے۔ کیمیائی تعاملات میں یہ اصطلاح تب کام میں آتی ہے جب کسی ایک مرکب کے ایٹموں میں موجود ایٹم کی تنظیم تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ کسی خلدی سبب سے ہوتا ہے اور نیا مرکب وجود میں آ جاتا ہے۔ مثلاً امونیئم سائیٹ کو جب گرم کیا جاتا ہے تو وہ یوریا بن جاتا ہے مگر ایٹم کی تعداد اتنی ہی رہتی ہے۔



Ammonia Cyanate

مثلاً اب آئیے ان طریقوں (Methods) سے واقفیت حاصل کرتے ہیں جن سے کیمیائی تعامل بروئے کار لائے جاتے ہیں۔

(1) سادہ اختلاط (Simple Contact):

جب ہم چاہتے ہیں کہ دو چیزیں آپس میں تعامل کر سکیں تو ہم

کیمیائی تعامل کی اقسام

(Types of Chemical Reactions)

(1) تشکیل (Synthesis) ملدن (Combination) یا جڑنا

(Direct Union)

یہ اصطلاح تب استعمال کی جاتی ہے جب دو عنصر برسرِ راست ایک دوسرے سے مل کر ایک مرکب شے بنائیں۔ جیسے مینٹھ پے کو ہو میں جلایا جاتا ہے تو وہ ہوا کی آکسیجن سے مل کر ایک مرکب مینٹھ پے آکسائیڈ بن جاتا ہے۔



(2) تحلیل (Direct Decomposition or Analysis)

یہ پہلی ترکیب کی ٹھیک الٹ ہے یعنی اس میں کوئی مرکب ٹوٹ کر اپنے تشکیلی عناصر میں الگ الگ ہو جاتا ہے۔ مثلاً پارے کے کلسائیڈ کو خوب گرم کیا جاتا ہے تو ٹوٹ کر پارہ اور آکسیجن الگ الگ ہو جاتا ہے۔

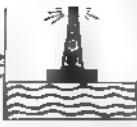


(3) بدلنا (Replacement or Substitution) یا مٹانا

(Displacement)

یہ اصطلاح تب استعمال کی جاتی ہے جب ایک عنصر ایک مرکب کے اندر سے کسی دوسرے عنصر کو تحلیل کرانگ کر دیتا ہے اور اس کی جگہ خود لے لیتا ہے۔ جیسے جسدہ دھات گندھک کے جیزاب سے پائیز روغن گیس کو برکھر دیتا ہے اور اس کی جگہ خود لے لیتا ہے۔





لانت ہاؤس

ہوتے ہیں مثلاً ہائیڈروجن گیس اور کلورین گیس کو جب روشنی میں آپس میں ملا جاتا ہے تو دھماکے کے ساتھ ہائیڈروکلورک ایسڈ گیس بن جاتی ہے۔ جبکہ اندر سے میں ملانے سے کچھ نہیں ہوتا۔



چاندی کے ہیلانڈ بھی فوٹو گرافی کے عمل میں روشنی سے ہی مرکب ہو کر تصویر کے خذ وخال واضح کرتے ہیں۔

(5) برقی رو (Electricity).

برقی رو بھی کبھی کبھی کیمیائی تعامل کرانے کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ کبھی کسی مرکب کے اجزاء کو توڑتی ہے اور کبھی جوڑتی ہے۔ مثلاً سوڈیم کلورائیڈ کے چٹکے ہوئے وجود میں برقی رو رواں کرنے سے سوڈیم دھات اور کلورین گیس الگ الگ ہو جاتی ہے۔



اور ہائیڈروجن گیس اور آکسیجن گیس کو بجلی کا جھٹکا (Sparking) لگا کر پانی کے مالیکیول کو وجود میں لایا جاتا ہے۔ اور بادل سے بجلی کڑکنے کا عمل ہوا کی نائٹروجن اور آکسیجن کو ملا کر نائٹریس آکسائیڈ گیس بناتا ہے۔



ضرور انھیں ایک دوسرے سے بخوبی ملنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً اگر آئوڈین کی قلیں (Crystals) اور فاسفورس ہوشیاری سے ایک دوسرے کے بغل میں رکھے ہوتے ہیں تو کچھ نہیں ہوتا مگر جب ان دونوں کو شادیا جاتا ہے یا گرگڑ دیا جاتا ہے تو شدید تعامل ہونے لگتا ہے اور فاسفورس آئوڈائیڈ بن جاتا ہے۔



(2) محلول (Solution):

کبھی کبھی دوسرے مرکب کو محلول حالت میں یا ان میں سے کسی ایک کو محلول حالت میں ایک دوسرے سے ملایا جاتا ہے تب کیمیائی تعامل ہونے لگتا ہے۔ مثلاً خشک سوڈیم ہائی کاربونیٹ اور ٹائٹریک ایسڈ کا ایک کھل میں خوب ملانے سے بھی کچھ نہیں ہوتا مگر جب سوڈیم ہائی کاربونیٹ (NaHCO_3) کے محلول میں ٹائٹریک ایسڈ ڈالتے ہیں تو زوردار تعامل ہونے لگتا ہے۔

(3) گرمی (Heating):

گرمی بہت سے کیمیائی تعامل کو شروع کرتی ہے، تیز کرتی ہے اور پورا کرتی ہے۔ مثلاً پارے کے آکسائیڈ کو پارہ اور آکسیجن میں الگ الگ کرنے کے لیے گرمی ہی سب کچھ کرتی ہے۔



(4) روشنی (Light):

بہت سے کیمیائی تعامل روشنی کی موجودگی میں ہی انجام پذیر

WITH BEST COMPLIMENTS FROM:

UNICURE (INDIA) PVT.LTD.

MANUFACTURERS OF DRUGS & PHARMACEUTICALS UNDER WHO NORMS

C-22, SECTOR-3, NOIDA-201301

DISTT. GAUTAM BUDH NAGAR (U.P.)

PHONE : 011-8-24522965 011-8-24553334

FAX : 011-8-24522062

e-mail : Unicare@ndf.vsnl.net.in



لانٹ سائنس

(4) کیمیائی تعامل ہونے کے نتیجے میں وجود میں آنے والے مرکب کے خواص یقیناً اپنے اجزاء ترکیبی کے خواص سے بدلے ہوئے ہوں گے۔

☆ یہاں ہم عمل انگیز (Catalyst) کا بھی تذکرہ کر دیتا ضروری سمجھتے ہیں۔ کچھ کیمیائی مادے (مرکب یا عنصر) ایسے ہوتے ہیں جن کی محض موجودگی سے کیمیائی تعامل کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ مادے خود تعامل میں حصہ نہیں لیتے ہیں۔ بلکہ دو تعامل کرنے والے مادوں کے عمل کو بڑھا دیتے ہیں۔ اور خود غیر متغیر ہی (Unchanged) رہتے ہیں۔ ان مادوں کو عمل انگیز (Catalyst) کہتے ہیں اور اس فعل کو (Phenomenon) کو عمل انگیزی (Catalysis) کہا جاتا ہے۔ عمل انگیز سے تعامل کی رفتار تیز ہی نہیں کی جاتی ہے بلکہ کبھی ضرورتاً ایسے عمل انگیز بھی کام میں لائے جاتے ہیں جو تعامل کی رفتار کو کم کرتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ آئندہ کبھی عمل انگیز پر الگ سے ایک مضمون قارئین کی تذکر کریں گے۔

(6) آواز (Sound):

ایسیٹیلین (Acetylene) کے اندر اگر پارے کے Fulminate کا زور دار دھماکہ کیا جاتا ہے تو وہ کاربن اور ہائیڈروجن میں اس آواز کے اثر سے ٹوٹ جاتا ہے۔



☆ اب ہم کیمیائی عمل ہوا ہے یا نہیں؟ اس بات کو حتمی طور پر کہنے کے لیے درج ذیل نکات پر غور کرتے ہیں۔

- (1) گرمی کا اندر لیتا (Absorption) یا باہر نکالتا (Evolution) ضرور ہوا ہوگا۔
- (2) عناصر کے متعین وزن اور تناسب میں ہی تعامل ہوا ہوگا۔
- (3) تعامل کے بعد عناصر کے وزن میں کمی یا اضافہ ہرگز نہیں ہوا ہوگا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ

آپ کے بچے دین کے سلسلے میں پُر اعتماد ہوں اور وہ اپنے غیر مسلم دوستوں کے سوالات کا جواب دے سکیں۔ آپ کے بچے دین اور دنیا کے اعتبار سے ایک جامع شخصیت کے مالک ہوں تو اقرأ کا مکمل مربوط اسلامی تعلیمی نصاب حاصل کیجئے۔ جسے اقرأ انٹرنیشنل ایجوکیشنل فلائینیشن، شکاگو (امریکہ) نے انتہائی جدید انداز میں گزشتہ پچیس سالوں میں دوسرے زائد علماء، ماہرین تعلیم و نفسیات کے ذریعہ تیار کروایا ہے۔ قرآن، حدیث و سیرت حبیب، عقائد و فقہ، اخلاقیات کی تعلیمات پر مبنی یہ کتابیں بچوں کی عمر، قابلیت اور محدود ذہنی طاقت کو مد نظر رکھتے ہوئے ماہرین نے علماء کی نگرانی میں لکھی ہیں جنہیں پڑھتے ہوئے بچے کی۔ وی دیکھا بھول جاتے ہیں۔ ان کتابوں سے بڑے بھی استفادہ کر کے مکمل اسلامی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

جامعہ اقرأ کے مکمل اسلامی مراسلاتی کورس کی معلومات اور کتابیں حاصل کرنے اور اسکولوں میں رائج کرنے کے لیے رابطہ قائم فرمائیے۔



IQRA' EDUCATION FOUNDATION

A-2, Firdaus Apt., 24, Veer Saverkar Marg (Cadel Road)
Mahim (West) Mumbai-400 016
Tel (022)2444 0494, Fax (022)24440572
E-Mail : iqraindia@hotmail.com.

Visit our new Web site: iqraindia.org



برق رفتار روشنی

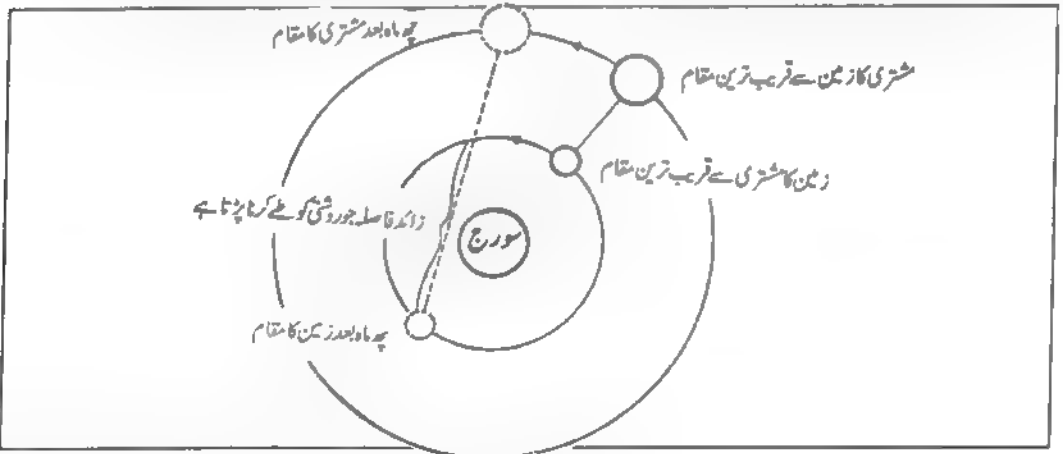
فیضان اللہ خاں

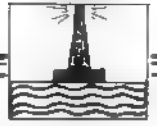
گرد گھومنے والے پادروں میں سب سے بڑا ہے۔ رومر سے پہلے اٹلی کا مشہور سائنسداں گیلیلیو گیلیلی (Galileo Galilei) بھی روشنی کی رفتار معلوم کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے دو پہاڑی چوٹیوں کو استدلال کیا تھا۔ لیکن پہاڑیوں کا درمیانی فاصلہ روشنی کی رفتار کے مقابلے میں بہت ہی کم تھا اور اس زمانے کے آلات اتنے حساس نہیں تھے۔ پھر گیلیلیو نے روشنی کی رفتار معلوم کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ بھی زیادہ موثر نہیں تھا۔ گیلیلیو یہ راز معلوم کرنے میں ناکام رہا تھا کہ روشنی کی کوئی رفتار ہے بھی یا نہیں۔

گیلیلیو کے تجربے کی ناکامی پر ایک مرتبہ پھر سائنسداںوں میں یہ بحث در پکڑ گئی کہ روشنی ایک سے دوسری جگہ جانے کے لیے وقت لیتی ہے یا نہیں۔ اس بحث کو اول رومر کے تجربے نے بالآخر اختتام تک پہنچا دیا۔ رومر نے دو پہاڑوں کے درمیانی مختصر سے فاصلے کے بجائے مشتری اور زمین کے درمیانی فاصلے کو استعمال کیا۔ یہ ایک بہت طویل فاصلہ ہے اور ان دونوں سیاروں کی مسلسل گردش کی

روشنی کتنی رفتار سے سفر کرتی ہے؟ ماضی میں یہ سوال سائنسداںوں کو خاصا پریشان کرتا رہا ہے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ سبب کیا ہے۔ جب بھی ہم روشنی پیدا کرتے ہیں یہ پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں ہر طرف پہنچ جاتی ہے۔ اور اس کی رفتار معلوم کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ اسی لیے ماضی میں سائنسداںوں کا ایک گروہ تو یہاں تک کہتا تھا کہ روشنی کی کوئی رفتار ہی نہیں ہے۔ یعنی یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں کوئی وقت نہیں لیتی بلکہ جس وقت یہ پیدا ہوتی ہے اسی لمحے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ لیکن سترہویں صدی میں ایک سائنسداں نے ثابت کیا کہ یہ نظریہ غلط ہے۔

اول رومر (Ole Roemer) ڈنمارک کا رہنے والا ایک سائنسداں تھا۔ 1676ء میں اس نے نہ صرف یہ ثابت کیا کہ روشنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے کچھ نہ کچھ وقت لیتی ہے بلکہ اس نے روشنی کی رفتار کی پیمائش بھی کی جو خاصی حد تک درست تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے سیارہ مشتری کا مشاہدہ کیا جو کہ سورج کے



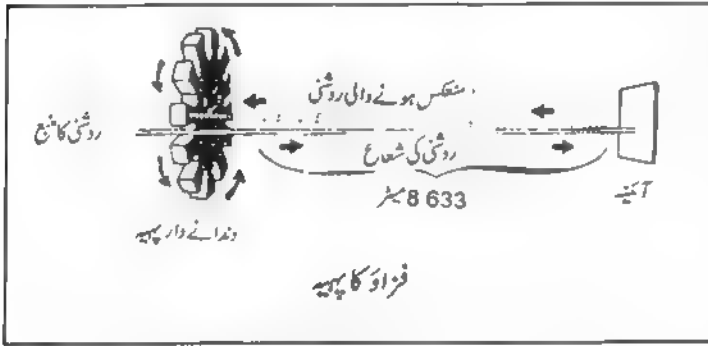


لائٹ ہاؤس

کے لیے زمینی فاصلے استعمال کیے جاسکتے تھے۔ یہ طریقہ اس لحاظ سے بہتر تھا کہ زمین کے دو مقامات کا درمیانی فاصلہ بالکل صحیح سمجھا جاسکتا تھا۔ فزائے نے اپنے تجربے میں ایک گمراری نمادندانے دار پہیہ استعمال کیا۔ اس تجربے سے جو جواب آیا وہ تقریباً 3,10,000 کلو میٹر فی سیکنڈ تھا۔ فزائے کا تجربہ ایک ابتدائی۔ دوسرے سائنسدانوں نے اسی طریقے کو مزید بہتر بناتے ہوئے بے شمار تجربات کیے۔ اور بعد میں دندانے دار پہیے کی جگہ آئینوں والا پہیہ استعمال ہونے لگا۔ ابراہم مائیکل سن (Abraham Michelson) کے طریقے کی ذیل میں وضاحت کی گئی ہے۔ مائیکل سن، ایک امریکی سائنسدان تھا اور

بدولت یہ فاصلہ گھٹنا بڑھتا رہتا ہے۔ زمین اور مشتری اپنے اپنے مداروں (یا راستوں) میں سورج کے گرد گردش کرنے کے دوران میں کبھی ایک دوسرے سے نزدیک ہو جاتے ہیں اور کبھی دور ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ شکل میں دکھایا گیا ہے۔

اس شکل سے ظاہر ہے کہ اگر ایک خاص وقت میں زمین اور مشتری ایک دوسرے سے کم سے کم فاصلے پر ہوں تو چھ ماہ بعد دونوں سیارے زیادہ سے زیادہ فاصلے پر ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر روشنی ایک خاص رفتار سے سفر کرتی رہتی ہے تو یہ دونوں فاصلے طے کرنے کے لیے اسے مختلف وقت درکار ہوگا۔ دوسرے اپنے مشاہدات سے وقت کا یہی فرق معلوم کیا جس سے یہ بات غلط ثابت ہوگئی کہ روشنی کو سفر کرنے کے لیے وقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرے روشنی کی رفتار کا بھی حساب لگایا۔ اس کے مطابق یہ رفتار 2,24,000 کلو میٹر فی سیکنڈ تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ روشنی کی صحیح رفتار در



اس نے روشنی کی رفتار معلوم کی وہ تقریباً بالکل درست تھی۔ مائیکل سن کے طریقے کو سمجھنے کے لیے اگلے صفحے پر دی گئی شکل پر غور کیجئے۔ اس شکل میں ایک ہشت پہلو پہیہ دکھایا گیا ہے جس کا ہر پہلو چمکدار ہے اور آئینے کا کام کرتا ہے۔ یہ پہیہ ایک ایسی موٹر کے دھڑے سے چلا ہوا ہے جس کی رفتار کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

”م“ روشنی کا ایک منبع ہے، ”ا“ ایک آئینہ اور ”د“ ایک دور بین ہے۔ آئینہ ”ا“ کا ہشت پہلو پہیے سے صحیح صحیح فاصلہ ٹاپ لیا گیا ہے۔ ان تمام چیزوں کو اس ترتیب سے اپنی اپنی جگہ پر جمایا گیا ہے کہ ”م“ سے آنے والی روشنی کی شعاع جب ہشت پہلو پہیے کے آئینہ نمبر ۱ پر پڑتی ہے تو منعکس ہو کر آئینہ ”ا“ تک جاتی ہے۔ وہاں سے منعکس ہو کر یہ واپس ہشت پہلو پہیے تک آتی ہے۔ مگر اس مرتبہ آئینہ نمبر ۲ سے ٹکراتی ہے اور منعکس ہو کر دور بین ”د“ تک پہنچ جاتی ہے، جو اسی

اصل تقریباً 297600 کلو میٹر فی سیکنڈ ہے۔ اس لحاظ سے دوسری نکالی ہوئی رفتار کسی حد تک مختلف نظر آتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ اس زمانے میں سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ ہر مقدار کی بالکل صحیح پیمائش کی جاسکے، مثلاً زمین اور مشتری کا مختلف اوقات میں درمیانی فاصلہ۔ پھر اس زمانے کی گھڑیاں بھی اتنی اچھی نہیں تھیں کہ وقت کا بالکل صحیح حساب لگایا جاسکے۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو دوسری پیمائش کافی حد تک درست ہے اور اس سے اس کی فہانت اور مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

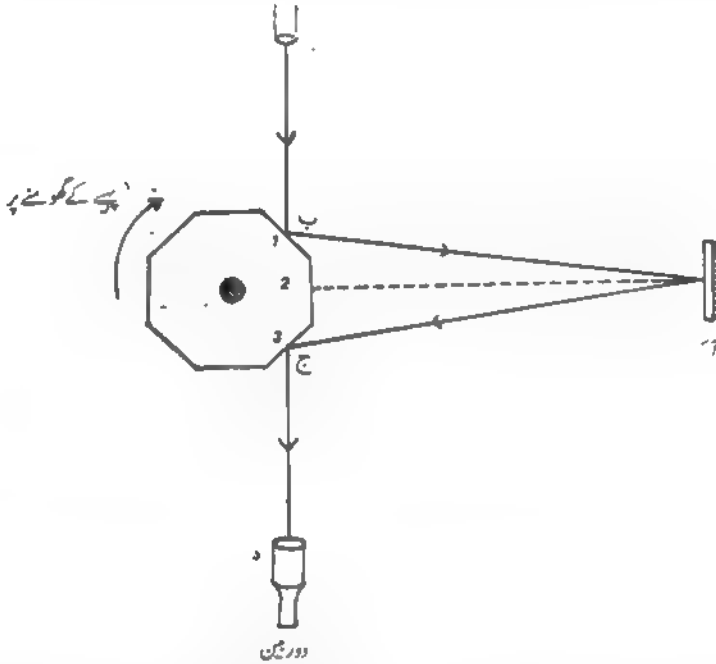
رومر کے تجربے کے بعد سائنسدان، روشنی کی درست رفتار معلوم کرنے کے لیے کوئی بہتر طریقہ معلوم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ سب سے پہلے ایک فرانسیسی سائنسدان لوئی فزائے (Louis Fizeau) نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس پر عمل کرنے



لانت ہاؤس

مقصد کے لیے لگائی گئی ہے کہ روشنی کی شعاع کا مشاہدہ کیا جاسکے۔
اگر اس مختصر سے وقفے میں جب کہ روشنی کی شعاع آئینہ نمبر
1 سے "۱" تک اور "۱" سے آئینہ نمبر 3 کا فاصلہ طے کرتی ہے، پیسے کا
آئینہ نمبر 2 آئینہ نمبر 3 کی جگہ لے لے تو پھر یہ شعاع منعکس ہونے

لہذا اب روشنی کی رفتار یا سانی معلوم کی جاسکتی ہے۔
اب تک جتنے تجربات بیان کیے گئے ان سے ہوا میں روشنی کی



رفتار معلوم ہوتی تھی۔ سائنسدانوں کی خواہش تھی کہ خلا میں روشنی کی
رفتار معلوم کی جائے۔ اس مقصد کے لیے بھی مائیکل سن نے ایک
تجربہ کیا۔ اس نے ایک میل لمبی دھاتی سرنگ بنوائی۔ اس سرنگ میں
سے ہوا خارج کر کے اس پر بھی اسی قسم کا تجربہ کیا گیا جیسا کہ اوپر
بیان کیا گیا ہے۔ اس تجربہ کو بار بار دہرانے پر مائیکل سن کے جواب
میں بہت معمولی فرق آتا تھا جس کا سبب آلات میں موجود تھوڑی
بہت خامیاں تھیں جو ہر آئے میں لازماً موجود ہوتی ہیں۔ مائیکل سن
نے جو جواب نکالا وہ 298,030 کلومیٹر فی سیکنڈ تھا۔ عام استعمال
کے لیے روشنی کی رفتار 3 لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہی لی جاتی ہے۔

بکے بعد سیدھی دوربین "ڈ" میں جانے کی جہاں اس کا مشاہدہ کر لیا
جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے موٹر کو انتہائی تیزی سے
گھمانا پڑے گا، کیونکہ روشنی یہ فاصلہ، جو چند کلومیٹر سے زیادہ نہیں
ہے، انتہائی مختصر وقفے میں طے کر لیتی ہے۔ موٹر کی جس رفتار پر
دوربین میں روشنی کی شعاع نظر آنے لگتی ہے، وہ رفتار نوٹ کر لی جاتی
ہے۔ اس رفتار سے وہ وقت معلوم کر لیا جاتا ہے جو کہ آئینہ نمبر 2 کو
آئینہ نمبر 3 کی پوزیشن پر پہنچنے میں لگتا ہے۔ یہ درحقیقت ٹھیک وہی
وقت ہے جو روشنی کی شعاع کو ہشت پہلو پیسے سے منعکس ہونے کے
بعد دوبارہ واپس اسی پر پہنچنے میں لگتا ہے۔ چونکہ یہ فاصلہ معلوم ہے،



جین کاری کے معجزے

باقر نقوی

جائزہ پیش کیا گیا تھا اور بقول نامہ نگار کے نفس مضمون یہ تھا کہ ہر وہ شخص جو اکیسویں صدی میں قدم رکھ پائے گا اوسطاً اس کی عمر پچیس سال زیادہ ہو جائے گی۔ یعنی اگر آج اوسط عمر 60 برس ہے تو اکیسویں صدی میں اوسط عمر بڑھ کر 85 برس ہو جائے گی اور جو 2025 تک زندہ رہا اس کی زندگی پچاس سال زیادہ طویل ہو جائے گی۔ جی تقریباً 110 برس کے لگ بھگ۔ اس نے اس اجمال کی تفصیل میں لکھ تھا کہ اب تک دوا سازی اور جراحی کے عمل میں ایسے ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دئے گئے ہیں کہ آج سے بیس سال قبل جو لوگ یقینی طور پر موت کا نوالا بن جایا کرتے تھے۔ اب ان امراض کا دواؤں اور جراحی سے مقابلہ کرتے ہیں اور عام انسانوں جیسی زندگی گزارتے ہیں۔ سب سے بڑی مثال دل کی رگوں کی جراحی (Coronary Artery by Pass) کی ہے جس کے ذریعے روزانہ ہزاروں انسان نئی زندگی حاصل کرتے ہیں جبکہ آج سے 30 سال قبل دل بلاشبہ جان یوا ہوتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق نئی دواؤں اور نئے طریقہ علاج سے جس میں جدید جراحی شامل ہے امریکہ کے باسیوں کی اوسط عمر جو اس صدی کے شروع میں صرف 47 سال تھی اب بڑھ کر 74 سال تک پہنچ گئی ہے۔ گویا ذیلی ٹیکراف کا نامہ نگار سچ کہتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگلے 25 برسوں میں انسان کی زندگی میں ایسا انقلاب آجائے گا جس کے مضمرات پر تنبیہ کی سے غور کیا جانا چاہئے۔

بیسویں صدی میں نئی دواؤں کی دریافت نے انسان کی صحت کی بہتری اور عمر کے اضافے میں کچھ درکار ادا کیا ہے مگر اگلی صدی میں جین

عام الفاظ میں جین کاری اس عمل (Process) کو کہتے ہیں جس میں جین میں تبدیلیاں یا ملاوٹ کر کے کسی نباتی یا جاندار جسم میں نئی خصوصیات پیدا کی جائیں یا پھر دو جنسوں کی جین کو ملا کر ایک نئی جنس پیدا کی جائے۔

سبزیوں اور پھلوں کی کاشت میں بہت سے تجربات ہوئے ہیں۔ بہت سے پتوں والے پھلوں میں بیج یا تو بہت کم کر دئے گئے یا بالکل غائب ہو گئے ہیں، پھلوں کی خوشبو اور ذائقے میں دلاویز تبدیلیاں کی گئیں۔ پھلوں کی جین کی تبدیلی اور ملاوٹ سے نئے رنگ اور نئی قسم کے پھول بنائے گئے۔ جانوروں میں جین کاری کے کامیاب تجربات ہو رہے ہیں جن سے دودھ دینے والے جانوروں سے زیادہ اور بہتر پروٹین والا دودھ حاصل کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح گوشت کے لیے پالے جانے والے جانوروں میں جین کی تبدیلیوں سے زیادہ اور بہتر قسم کا گوشت حاصل کیا جا رہا ہے۔

اب جین کاری کا زور انسانی جسم کو اعضا کی فراہمی کے لیے جانوروں کی پیدائش پر دیا جا رہا ہے۔

کم از کم اکیسویں صدی کے پہلے پچاس برس تو یقیناً جین کاری کے کرشمات کا زمانہ ہوں گے۔ اس کے بعد کیا اور کس سمت میں پیش رفت ہوگی اس کا ادراک ہم جیسے کو تاہ علم انسان کے لیے مشکل ہے۔

لندن کے مشہور انگریزی اخباری ٹیکراف (The Telegraph) میں آج سے تقریباً 20 برس قبل ایک طویل مضمون شائع ہوا تھا جس میں سائنسی ایجادات اور امکانات کا ایک تصوراتی



کام ہونا اور ساعت میں قفل کا پیدا ہونا شامل ہیں۔

جینیات کے ماہرین جو انسانی جینوم (Human Genome) کا مکمل مطالعہ کرنے میں معروف ہیں اور اس سے نتائج اخذ کرنے میں لگے ہوئے ہیں ان کی تحقیق بتاتی ہے کہ جسم کے اندر جو کچھ ہوتا ہے لحمیات (Proteins) کی کمی یا زیادتی، ان کے پیدا ہونے یا بند ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے جو ڈی۔ این۔ اے میں خفیہ جین کے احکامات کے ذریعے ہوتا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ وہ وقت بہت قریب ہے جب چین کے سربراہ راز کھل جائیں گے اور وہ اس قابل ہو سکیں گے کہ چین کاری کے ذریعے خلیوں میں عمر رسیدگی کے عمل کوست بنائیں گے جس سے بڑھاپے میں تاخیر ہو جائے گی اور عمر طویل ہو سکے گی۔

والدین کے لیے ممکن ہو جائے گا کہ ولادت یا حاصل سے قبل ہی وہ اپنے ہونے والے بچے کی خصوصیات کا تعین کر سکیں۔ وہ چاہ سکیں گے کہ جیٹا ہو یا بیٹی، آنکھوں کا رنگ کیا ہو، جلد کیسی اور کس رنگ کی ہو، قد کتنا ہو، جسمانی ساخت کیسی ہو وغیرہ وغیرہ۔

سائنسدانوں کے مطابق انسان کی تخلیق سے اب تک اندازے کے مطابق اس کی جین میں صرف 2 فی صد تبدیلی آئی ہے جو قدرتی عمل ہے مگر اب لگتا ہے کہ اگلی صدی میں انسان اپنی خواہش کے مطابق اپنے اندر اور اپنی اولاد میں جیسی چاہے تبدیلی پیدا کر سکے گا۔

بڑھاپے کا جراثیمی بدل جانا ایک ایسا خواب ہے جو انسان اپنی ابتدا سے دیکھتا چلا آ رہا ہے مگر ہم ذرا ٹھہر کر سوچیں کہ ان کے اثرات کیا ہوں گے۔

- 1- آبادی کا کیا حال ہوگا۔
 - 2- معاشرہ اور تہذیب کیسی ہو جائے گی۔
 - 3- معاشیات پر کیا اثر پڑے گا۔
 - 4- سیاسیات اور مملکت کے معاملات میں کیا تبدیلیاں آئیں گی۔
- سب سے پہلے تو وہ ادارے جو بڑھاپے میں چٹن (Pension) دینے کے پابند ہیں دیوالیہ ہو جائیں گے۔ ایک عمر کو

کاری کے ذریعے جو انقلاب آنے والا ہے اس میں موت کے فرشتے کو اگر زنجیر نہیں کیا جاسکتا تو کم از کم اس کی پرواز کی رفتار میں کمی ضرور آجائے گی۔ سرطان (Cancer) جیسے علاء عام موزی مرض کا علاج ہو جائیگا۔ دل میں بند ہو جانے والی شریانوں کے علاج کے لیے جراحی کے بجائے نئی دواؤں اور جین کاری کے ذریعے دل کے عضلات (Heart Muscles) میں نئی شریانیں پیدا کی جاسکیں گی جو خون کے دوران کے لیے متبادل راستے فراہم کریں گی۔ اسٹم خلیوں کے ذریعے انسانی جسم میں خلیوں کے ناکارہ ہونے کی صورت میں جو غلط پیدا ہوتا ہے پر کیا جاسکے گا۔ انہی کے ذریعے تجربہ گاہوں میں انسانوں کے جسم میں پیوند کاری کے لیے مختلف اعضا "اگائے" جاسکیں گے۔ بلکہ شاید یہ بھی ممکن ہو جائے کہ انسانی خلیوں کی گھڑی کو اپنے پاؤں چلایا جاسکے تاکہ بڑھاپا طاری کرنے والے خلیے واپس چل کر توانا ہو سکیں اور یا تو بڑھاپے کو روک دیں یا بڑھاپا جراثیمی بدل جائے۔

کائنات کی ہر شے بلکہ ہر ذرہ اپنی تخلیق کی منزل سے فنا کی جانب رواں دواں ہے۔ اس لیے کہ ہر شے کو فنا ہونا ہے۔ ابتدا سے عروج کی منزل اور پھر زوال کی ڈھلان کا سفر، یہ ہر مخلوق کی قسمت ہے۔ گویا خلق کرنے والے نے ہر مخلوق کے اندرونی نظام میں ایک گھڑی لگا دی ہے جس میں وقت مخصوص (Zero Hour) معین ہے اور یہ گھڑی، ہر لمحہ، ہر ساعت، ہر دن، ہر ماہ، ہر سال مخلوق کو فنا کی جانب اڑائے لیے جارہی ہے۔

منزلیں گرد کی مانند اڑی جاتی ہیں۔

کسی مخلوق کی عمر دنوں میں ہوتی ہے، کسی کی برسوں اور کسی کی صدیوں میں۔ ہر شے کے عناصر کی ترتیب یعنی خلیوں یا ذروں میں فنا کا سفر جاری رہتا ہے۔ جاندار جسموں کے خلیے بھی ان مراحل سے دو چار ہوتے ہیں۔ ہر جسم کے ڈی۔ این۔ اے میں چھپے ہوئے جین اس کی موت کا حکم صادر کرتے ہیں۔ جاندار جسم کو احساس بھی نہیں ہونے پاتا مگر ہر لمحہ اس کے خلیے عمر کی منزلیں (Ageing Process) طے کرتے رہتے ہیں۔ اس Process کے آثار میں بالوں کا سفید ہو جانا، جلد پر شکنوں کا پڑ جانا، جسم کی قوت میں کمی آنا، آنکھوں میں روشنی



لائٹ ہاؤس

کیا یہ ممکن ہوگا کہ جینیاتی اطلاعات غیر متعلقہ فرد یا ادارے سے خفیہ رکھی جائیں گی۔ کیا بیمہ کمپنیاں بیمہ پالیسی دینے سے پہلے جینیاتی معلومات کے بارے میں اصرار کریں گی، تو پھر وہ شخص جس کو بیماریاں ہونے والی ہیں بیمہ زندگی حاصل ہی نہ کر سکے گا۔

اگر کسی انسان کی جینیاتی تفصیلات سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو کسی کسی بیماریاں ہوں گی اور اگر ان کا تدارک ممکن نہ ہو سکے تو ایسے لوگوں کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔ ان کی خوشیاں کیا اداسیوں میں بدل جائیں گی؟

جس انسان کو کوئی موذی مرض لاحق ہونے والا ہو تو کیا اس کو کوئی ادارہ ملازمت دینے پر راضی ہوگا؟
موجہ تیر ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

پہنچنے پر تاحیات پنشن پانے کے لیے ہر کارکن کو اپنے ایام کار میں اتنی رقم دینی پڑتی ہے جو پنشن کی عمر تک پہنچنے پر اتنی ہو جائے کہ اگر کارکن اوسط عمر تک زندہ رہے تو اس رقم سے پنشن ادا ہو سکے۔ اگر اوسط عمر 65 سال تصور کرنے کے بعد کارکن سے پنشن حاصل کرنے کے لیے ایک مقررہ رقم کی قسطیں (Pension Contribution) لی جاتی ہیں اور اگر کارکن آبادی کی اوسط عمر 65 کے بجائے 75 ہو جاتی ہے تو سب کو مزید دس سال تک پنشن دینے کے لیے یا تو پنشن کی رقم اتنی کم کر دی جائے گی کہ جمع شدہ رقم سے تاحیات کم کی ہوئی پنشن ادا ہو سکے یا 65 سال کی عمر تک پہنچنے پر پنشن بند ہو جائے۔ اگر ادارہ تاحیات مقررہ پنشن دینے پر مجبور ہو تو پھر ادارہ دیوالیہ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس کی جمع شدہ پونجی جلد ختم ہو جائے گی۔

جہاں حکومتیں پنشن ادا کرنے کی پابند ہوتی ہیں وہاں حکومتوں کو رقم کی کمی کی وجہ سے زیادہ محصول (Tax) لگانے پڑیں گے۔

ذرا سوچئے کہ اس معاشرے کا کیا حشر ہوگا جہاں تناسب آبادی اس طرح تبدیل ہو جائے گا کہ زیادہ تعداد عمر رسیدہ لوگوں کی ہو جائے۔ کھیل کود، تفریح، دوادارمن کے ایسے مسائل پیدا ہوں گے کہ کم از کم پچاس برس تک معاشرہ برہنہ اور بے چینی کا شکار رہے گا تا آنکہ وقت گزرنے کے بعد معاشرے کی اقدار ہی بدل جائیں۔

بہت سی حکومتیں اپنے ملک کی آبادی میں اضافے کا تخمینہ لگا کر منصوبہ بناتی ہیں جن پر عمل کر کے ملک کی معاشیاتی سرگرمیاں کامیاب ہوتی ہیں۔ آبادی کے مندرجہ بالا تناسب کی وجہ سے سیاست میں بھی ایسی تبدیلیاں آئیں گی کہ سیاست کا نقشہ ہی بدل جائے گا۔

اگر چین کے مطالعے سے یہ معلوم ہو سکے کہ انسان آئندہ کن امراض کا شکار ہوگا اور کتنی عمر پائے گا تو کیا آپس میں شادی کے خواہش مند جوڑے ایک دوسرے سے ان کی چین کی تفصیلات طلب کرنے لگیں گے، تو پھر کیا محبت میں کردار، خاندان اور صورت دیکھنے سے پہلے چین کی معلومات طلب کی جائیں گی۔

Get the MUSLIM side of the story

32 tabloid pages chock-full of news, views & analysis on the Muslim scene in India & abroad.

THE MILLI GAZETTE

Indian Muslims' Leading English NEWSpaper

Single Copy: Rs 10;

Subscription (1 year, 24 issues): Rs 220

DD/Cheque/MO should be payable to
"The Milli Gazette" Please add bank charges of
Rs 25 to your cheque if your bank is outside Delhi
(Email us for subscription rates outside India)

Head Office D-84 Abu Fazl Enclave, Part-I,
Jamia Nagar, New Delhi 110025

Tel: (011) 26927483, 26322825, 26822863

Email: mg@milligazette.com, Web: www.m-g.in



منہ سے نکلتا ہے۔ ہائیڈروجن۔ کیمیا دانوں نے ان عناصر کی پہچان کے لیے نشان کے طور پر مختلف حروف مقرر کیے ہیں۔

آتش گیر مادے سے دھماکے کیسے ہوتے ہیں؟

آتش گیر مادے میں دوسری چیزوں کے علاوہ ایک خاص مقدار میں آکسیجن بھی ہوتی ہے۔ جب اسے آگ دھالی جاتی ہے تو اس میں موجود آکسیجن خارج ہوتی ہے اور اس گیس پیدا ہوتی ہے جو کہ گرم ہوتی ہے۔ ان گیسوں کو توانی اور حرارت دینے کی وجہ سے دھماکا ہوتا ہے۔

کیا پانی میں شعلہ جل سکتا ہے؟

ایسا ممکن ہے مگر صرف اسی صورت میں جب شعلہ تک آکسیجن اتنے زیادہ کے ساتھ پہنچائی جائے کہ درمیان میں پانی نہ آسکے۔ عموماً خوروں کو خاص طور پر پانی کے گئے ہوئے پانی فراہم کیے جاتے ہیں جن کے شعلے سے وہ پانی کے اندر بھی دھماکے کوکٹ سکتے ہیں۔

کونکہ اور گیس وغیرہ کیوں جلتے ہیں؟

وہ درمیان میں کاربن اور ہائیڈروجن زیادہ مقدار میں ہوتی ہیں جو آکسیجن کے ساتھ مل کر جلتی ہیں۔

ٹھوس مادے سے گیس کس طرح حاصل کی جاتی ہے؟
عام طور پر گرم کر کے، اسے کو پہلے مائع میں تبدیل کیا جاتا ہے اور پھر یہ گیس کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً ٹھوس برف کو گرم کر کے پہلے پانی اور پھر بخار بن کر کہ بھاپ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

کون سی گیسیں کیمیائی عناصر ہیں؟

آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، ہیلون۔

شیشہ کن چیزوں سے بنتا ہے؟

اس میں زیادہ حصہ ریت کا ہوتا ہے جو کہ سوڈا چوڑے اور دوسرے کیمیائی مادوں میں ملائی جاتی ہے۔ بھٹیوں میں اس کو گرم کر کے سیال

سمن چودھری

کاربن کی سب سے جانی پہچانی شکل کون سی ہے؟

کونکہ اور چاروں وغیرہ۔ اگرچہ یہ بھی خاص کاربن ہی کی شکل ہے۔

آگ بجھنے کے بعد کون سے مقدار میں کیسیوں آجاتی

ہے؟ یہ کونکہ کہاں جاتا ہے؟

وہ منہ سے جو کاربن ہوا کی آکسیجن کے ساتھ مل کر ایک گیس بن جاتی ہے۔ اور یوں آگ جلنے کے بعد کون سے مقدار میں کی واقع ہو جاتی ہے۔

کونکہ کی کاٹوں میں دھماکے کس طرح ہوتے ہیں؟

بہت گہری میں واقع کان میں کام کرنے کے دوران گیس بنتی ہے مگر عام طور پر اس کو بحفاظت ہتھکھوں کے ذریعے سطح تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ ہتھکھوں کی نا کافی تعداد کی وجہ سے کان میں گیس خاص مقدار میں جمع ہو جاتی ہے۔ اسی صورت میں ایک معمول شعلے کی وجہ سے بھی فوراً دھماکا ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کان کئی کی غرض سے دھماکے کیے جاتے ہیں تو فضا میں گیس کے نہایت باریک ذرات پھیل جاتے ہیں۔ ایسی فضا میں بھی دھماکا ہو سکتا ہے۔ تقطیع کرنے کا طریقہ کیا ہے اور یہ کیوں کیا جاتا ہے؟

مختصر پہلے جس چیز کو بھی مقطر کرنا ہوا ہے گرم کر کے بھاپ میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ پھر اس بھاپ کو ٹھنڈا کر کے دوبارہ مائع حالت میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد کثافتیں علیحدہ کرنا ہے۔

کیمیائی عناصر کیا ہوتے ہیں؟

یہ وہ کیمیائی مادے ہیں جن کو مزید تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے مادوں کو



انسانی کلو پیڈیا

نہایت ضروری ہے۔ یہ گرمی پیدا کرنے کی موجب ہے۔

کیا آکسیجن کی وجہ سے ہی ورزش کے دوران جسم گرم ہو جاتا ہے؟

یہ بات صحیح ہے۔ جب ہم دوڑتے ہیں یا کوئی اور ورزش کرتے ہیں تو زیادہ تیزی سے سانس لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خون میں موجود کاربن، جسم میں داخل ہونے والی آکسیجن کے ساتھ مل کر زیادہ تیزی سے جلتی ہے اور جسم گرم ہو جاتا ہے۔

ہوا میں موجود آکسیجن آگ کیوں نہیں پکڑتی؟

کیونکہ یہ خود سے نہیں جلتی، لیکن یہ جلنے کے عمل کے لیے ضروری ہے۔

ہم یہ کیسے جانتے ہیں کہ ہمیں آکسیجن کی ضرورت ہے؟

کسی زندہ چیز کو کسی ایک جگہ رکھا جائے جہاں ہوا میں آکسیجن موجود نہ ہو تو اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر خالص آکسیجن میں رکھا جائے تو یہ بھی موت کا باعث ہوگا کیونکہ ہمیں نائٹروجن کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اندھیرے میں چمکنے والے رنگ کیسے بنتے ہیں؟

رنگ تیار کرتے وقت کیمیشم اور پیریم کو اس میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ ایسے رنگ اندھیرے میں چمکتے ہیں اور ان کو گھڑی کی سوئیوں یا ہندسوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔

ریڈیم کہاں سے حاصل ہوتا ہے؟

ریڈیم ایک Pitch Bleade سے حاصل ہوتا ہے، مگر بہت کم مقدار میں۔ یہ برقی لہریں پیدا کرتا ہے اور اس کے اپنے وزن میں کوئی قابل ملاحظہ اثر نہیں ہوتا۔ یہ فرانسیسی سائنسدان مادام کیوری نے دریافت کیا تھا۔

زنگ کیا ہوتا ہے؟

آکسیجن کی موجودگی میں لوہے اور چند دوسری دھاتوں پر آئرن آکسائیڈ بنتا ہے جس کو عام زبان میں زنگ کہتے ہیں۔ زنگ لگنے کے لیے فضا میں کمی کی ضرورت ہوتی ہے۔

حالت میں بدلا جاتا ہے اور اس کے بعد اس کو مختلف اشکال کے سانچوں میں ڈھالا جاتا ہے۔

ہیلمیم کیا ہے اور اس کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے؟

ہیلمیم ایک انتہائی کم وزن گیس ہے۔ یہ زمین کی تہوں میں بنتی ہے جہاں سے اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ یہ گیس آگ نہیں پکڑتی اس لیے غباروں اور ایئر شپ وغیرہ میں بھرنے کے لیے خاص طور پر فائدہ مند ہے۔

ہائیڈروجن کیا ہے؟

یہ پانی میں پایا جانے والا ایک کیمیائی عنصر ہے۔ ہائیڈروجن گیس بہت ہلکی گیس ہوتی ہے اور آگ بہت جلد پکڑتی ہے۔

کیتلیاں اندر سے سفید کیوں ہو جاتی ہیں؟

کیتلیاں جن میں پانی ابالا جاتا ہے، اندر سے سفید اس لیے ہو جاتی ہیں کیونکہ ان پر ایک قسم کے چونے کی تہ جم جاتی ہے۔ جب پانی ابلتا ہے تو اس میں موجود چونا کیتلی کے اندرونی حصے پر جمع ہو جاتا ہے۔

Mineral Water چمکدار کیوں نظر آتا ہے؟

اس لیے کہ اس کی بوتل میں مشینوں کے ذریعہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس بھری جاتی ہے۔ جب بوتل کو کھولا جاتا ہے تو گیس ہوا کی موجودگی میں بوتل سے نکلنے لگتی ہے۔

لائٹن میں چمکی کیوں ہوتی ہے؟

لائٹن کے نچلے حصے میں کمی کی سوراخ ہوتے ہیں جو تازہ ہوائے سب سے نکلتے جاتے ہیں۔ جب یہ ہوائ گرم ہوتی ہے تو لائٹن کی چمکی میں اوپر کی طرف اٹھتی ہے جس کی وجہ سے تیل میں موجود کاربن بغیر دھوئیں کے جھنکے لگتا ہے۔

کیا آکسیجن گیس ہوا میں شامل ہے؟

یقیناً! یہ انسانوں، جانوروں، سبزیوں اور ہر قسم کی زندگی کے لیے



میزان

میزان

میں حد تک ہر انسان کی پرمختی سطح جزائر اور دیگر زمینوں کو غرقاب کرتی چاہتی ہے۔ نتیجہ میں سے نکلنے والی کشمکش، پلاسٹک اور ایکٹروٹک چرے اور مٹی کی لہروں نے زمین کی زرخیزی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ غرض زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ہونے والی ترقیوں نے آج کے انسان کے سامنے نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔

اس پس منظر میں، یہ کتاب جو کہ ترقی یافتہ ماحولیات کی کتاب ماحولیات اور انسان وقت کا اہم ترین تقاضہ پورا کرتی ہے۔ مصنف موصوف نے ماحولیات کے بعض اہم موضوعات پر صبح آرمائی کی ہے جن میں جنگلات اور ماحولیات، توانائی کے متبادل ذرائع، ہائیڈروجن ایندھن اور ماحولیات، پانی کی اہمیت اور ماحولیات، بیکار، کارآمد اشیاء، ای۔ ایچ۔ ایک جدید ماحولیات کی مسہد خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ مسائیل کی زبان عام فہم اور انداز بیان دلچسپ ہے۔ بنیادی طور پر مصنف اردو اور فارسی زبانوں سے منسلک ہیں جیسا کہ کتاب میں دیئے گئے تعارف سے ظاہر ہے پھر بھی ان کا سائنسی موضوعات پر قدم اٹھانا اس امر کا اظہار ہے کہ ترقی یافتہ ماحولیات کا موضوع کس قدر اہم اور انسانی زندگی سے کس درجہ جڑا ہوا ہے۔ یہ مضامین ایک عام قاری کے لیے جو ماحولیات سے بالکل حصار نہیں ہے بے حد مفید ثابت ہوں گے تاہم وہ قاری جو اس موضوع پر باخبر ہیں اور مزید گہرائی کے ساتھ مختلف پہلوؤں پر معلومات حاصل کرنے کے خواہاں ہیں انہیں قدرے تفصیلی کا احساس ہوگا۔

مصنف نے اگر بعض مضامین جیسے نمبر اور جدید ہندوستان، پرندوں کا طویل سفر خطرناک شارک پھمیل، لاکھوں خوبیوں والا لاکھ اور کپڑوں کا شہنشاہ (مل کیٹس) کو حذف کر دیا ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ یہ مضامین اچھے ہونے کے باوجود کتاب کے عنوان سے مطابقت نہیں رکھتے۔

بحیثیت مجموعی ماحولیات کے موضوع پر یہ کتاب اردو زبان میں ایک اہم اور مفید اضافہ ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ عام لوگوں میں اس کی بھرپور پذیرائی ہوگی اور اس سے استفادہ کریں گے۔

ماحولیات اور انسان	ماحولیات اور انسان
مصنف	مصنف
ناشر	آئیڈیل پبلیکیشن ہاؤس
صفحات	142
قیمت	70 روپے
مبصر	شمس الاسلام فاروقی، نئی دہلی

ماحولیات موجودہ دور کا انتہائی اہم موضوع ہے جس کے تئیں انسانی بیداری پیدا کرنا وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ نسل انسانی کی بقاء کا ماحولیات سے براہ راست تعلق ہے۔ جہاں ایک صاف ستھرا حوالہ انسانی زندگی کو سونپ دیتا ہے وہیں ایک کثیف ماحولیات جہنم بنا دیتا ہے۔ سمجھ کر کائنات کیونکہ انسانی جبلت میں داخل ہے ہذا انسان کو ہمہ وقت ترقی کی راہوں پر رواں دواں رہنا بھی ایک ناگزیر عمل ہے۔ ان راہوں پر چل کر آج نسل انسانی ترقی کی معراج پر پہنچ چکی ہے۔ زندگی کی کون سی سہولتیں ہیں جو آج انسانوں کو حاصل نہیں تھیں ترقی کی اس دور نے انسانی ماحول کو اس حد تک کثیف کر دیا ہے کہ تمام آسودگیوں کے باوجود اس کی زندگی منت غنی دشواریوں سے بھری ہوئی ہے۔ آج عالمی پیمانے پر یہ احساس شدت سے پیدا ہوتا ہے کہ اگر ماحولیات کی سہولتوں پر فوری توجہ نہ دی گئی تو کائنات انسانی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کو نہ صرف چاند پر پہنچ دیا ہے نہ اب تو وہ آگے بڑھ کر کائنات کے دوسرے سیاروں کو سر کرنے کی فکر میں بھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج انسان کو اپنے لیے صاف پانی اور سانس لینے کے لیے کشمکش سے پاک ماحول نہیں ہے۔ فضائی آلودگی کے سبب عالمی درجہ حرارت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ صاف پانی کے ذخائر صرف کچھ گھنٹے



Sudarshan suggest thte all these velocity-of-light particles be lumped together as 'luxons' (From the Latin word for 'light')

All Particles with a proper mass greater than zero, which therefore cannot attain the velocity of light and must always and forever travel at lesser velocities, they lump together as 'tardyons' They suggest that tardyons be said to travel always at 'subluminal' ('slower-than-light') velocities

تین ایٹمی کمزور اور طاقتور قوتوں میں یکسانیت کی تحقیق کو ابھی ۱۰۰ عرصہ نہیں ہوا۔ ۱۹۷۹ء میں اس دریافت کے بعد سے ہی سائنسدان یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ گریوٹی کس طرح عمل کرتی ہے جس طرح فوٹون توانائی کی ایک لہر ہونے کے باوجود مادی ذرات کی خاصیت بھی رکھتے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ روشنی ہمیشہ مستقیم میں سفر کرتی ہے لیکن جب وہ کسی طاقتور گریوٹی فیلڈ کے قریب سے گزرتی ہے تو خم کھا جاتی ہے۔ آکسٹائن کے اس نظریہ کو ۱۰۰ پندرہ سال بعد سورج گرہن کے وقت سپائی کی کسوٹی پر پرکھا گیا تھا۔ سائنسدان جاننا چاہتے ہیں کہ یہ قوت بھی اضافی قدرتی قوتوں کی طرح عمل کرتی ہے۔ اگر گریوٹی کے عمل کرنے کے بارے میں معلوم ہو جائے تو اسے چوتھی قوت مان کر "وحدت الوجود" کا نظریہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ابھی سائنسدان کشش ثقل کے بارے میں اس کے حدود کا پتہ نہیں جانتے کہ ہر مادی جسم میں قوت کشش ہوتی ہے دونوں قوتیں ان مادی اجسام کو اپنی جانب کھینچتی رہتی ہیں لیکن دونوں کے درمیان جتن فاصلہ بڑھتا جاتا ہے یہ قوت کشش کمزور پڑتی جاتی ہے کسی سیارے یا اشیاء کے وزن اس کی کشش ثقل کے سبب ہی ہوتے ہیں مثلاً زمین پر زمین کی انسان کا وزن سٹھ کلو سے تو چند گراں اس کا وزن ۱۰ کلو ہو جائے گا کیونکہ وہ زمین سے ۱۰ گے اس لیے قوت کشش بھی ۱/۱۰ ہے۔ اس کے باوجود یہ قوت زمین کے سمندروں میں سمندری لہروں کو اٹھا کر جوار بھانگالاتی رہتی ہے۔

پھر وہ لکھتے ہیں اور نیوٹرل ہائیڈروجن ایٹم کا واحد الیکٹران کس طرح پازیٹران کے مختلف انرجی لیولس میں اچھل کود

رد عمل

محترم ڈاکٹر محمد اسلم پرویز صاحب
السلام علیکم

ماہ مئی ۱۹۸۸ء کا "سائنس" ملا۔ اس شمارے کے "رد عمل" میں اپنے خط کا رد عمل بھی پڑھا جو محترم ڈاکٹر م۔ م۔ احمد نے تحریر فرمایا ہے۔
در اصل وہ میری بات غلط سمجھے یا میں سمجھانے میں ناکام رہا۔ یہ بر شخص جانتا ہے کہ وہ کسی شکل میں بھی ہو س کا سب سے پنا پونٹ ڈزہ ہی ہوتا ہے۔ جیسے الیکٹرون، پروٹون، فوٹون۔ اسی طرح نسل یعنی گریوٹی کے ایک پونٹ ٹریوٹون یا ڈزہ ہی کہا جاسکتا ہے لیکن انہوں نے گریوٹون ڈزے کا اس طرح ذکر کیا تھا جیسے سائنسدان اس ڈزے اور اس کے ساتھ گریوٹی کے بارے میں سب کچھ جان چکے ہیں جبکہ وہ خود اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اور پہلے تجربے میں ٹیل ہو چکی ہے۔ اصلاح جاری ہے جلد ہی کا مشروع ردے گی اس کا ایک اینڈ ٹریوٹون کا وجود، اس کا Spin معلوم کرنا ہے" (رد عمل کے دوسرے کالم میں ملاحظہ فرمائیے) یعنی وہ خود قبول فرما رہے ہیں کہ ابھی ٹریوٹون کا وجود اور اس میں معبود نہ تھا تجربہ کی منزل میں ہے۔ یہاں میں امریکہ کے پاپر سائنس ٹینے وے مشہور سائنسدان کا ایک اقتباس پیش کر رہا ہوں ٹریوٹون اور دوسرے کئی ذرات کے بارے میں ڈاکٹر آنزک ایسی موقف لکھتے ہیں

One of these is the hypothetical graviton, which carries the gravitational force and which, in ۱۹۶۹, may have finally been detected.

The other four are the various neutrinos (1) The neutrino itself, (2) The Antineutrino, (3) The muon-neutrino, and (4) The muon-antineutrino

The Graviton and all the neutrinos can and must travel at the velocity of light, Bilaniuk and



و ذ عمل

کر کے“ وغیرہ وغیرہ۔

Singularity کو جس طرح پیش کیا تھا وہ فہم سے بالانظریہ تھا اس سلسلے میں میرا ماننا ہے کہ ہماری سائنس ابھی اپنی دنیا اور خود اپنے وجود کو پوری طرح نہیں سمجھ سکی تو وہ اس عظیم قوت کی بنائی ہوئی ان چیزوں کو کیسے سمجھ سکتی ہے جو ہم سے کروڑوں نوری سالوں کے فاصلے پر ہیں۔ چنانچہ دو تین سال پہلے اسٹینٹن ہاکنگ کو خود اعلان کرنا پڑا کہ ”بلیک ہول“ کا اس کا نظریہ غلط تھا۔

”آخر میں وہ کہتے ہیں ”دورم ہول“ میں لاکھوں نوری سالوں کا فاصلہ آنا فنا میں طے ہو جاتا ہے“ اس کا جواب یہ ہے کہ تقریباً سو سال سے سائنس فکشن رائٹر دورم ہول کا آئیڈیا Hyper Space کی شکل میں پیش کرتے آ رہے ہیں یعنی ہائی پراسپیس میں سفر کرنے سے لاکھوں نوری سالوں کا فاصلہ چند دنوں میں طے ہو جاتا ہے۔ ان کے خط کے اس جملے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔

”تحفہ سہا (حضرت سلیمان کی بیوی) کا واقعہ اس ضمن میں سمجھ میں آ سکتا ہے۔“

جب کوئی عالم سائنس کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس طرح کے حوالے دینے لگے تو میں فوراً اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہوں اور قبول کر لیتا ہوں کہ میں کم علم ہوں اس لیے ان سے بحث نہیں کر سکتا۔

انہاراش

والی 5 ستمبر 2007

نئی دہلی

محترم ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

ایڈیٹر ماہنامہ سائنس اردو نئی دہلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اگست کے شمارے میں آپ کا چہرہ دیکھ کر بے ساختہ محسوس ہوا کہ آپ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھائی جیسے مسلمان ایک دوسرے کے لیے ہوتے ہیں اور جیسے خشتی لوگوں کو خشت میں محسوس ہوگا۔

اگست کے شمارے نے آپ کی طرح بہت چھوٹے پیمانے پر مجھے بھی متحرک کر دیا۔ آپ اندونیشیا کی بڑی دنیا میں تھے اور میں

جہاں تک پازیزوں کا تعلق ہے یہ الیکٹران کا Opposit ذرہ ہوتا ہے جس میں مثبت برقی چارج ہوتا ہے اپنی میٹر کا انٹیٹم عام میٹر کے بالکل مخالف ہوتا ہے اور اس کا کوئی ذرہ اگر عام مادے کے ذرے سے مل جاتا ہے تو دونوں فوراً ایک دوسرے کو زبردست توانائی میں تبدیل کر کے ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر عام ہائڈروجن کا الیکٹرون کئی پازیزوں سے چھیر چھاڑ کیسے کر سکتا ہے۔

اپنی میٹر یعنی پوزیزوں کے ذرات بھی پہلے Hypothetical ذرات مانے جاتے تھے پھر کلاؤڈ جیمز کے ذریعے اس کی موجودگی کا احساس ہوا اور اس کے بعد 1932ء میں C. P. Andersson نام کے سائنسدان نے ان کے وجود کا ثبوت Beta ریڈی ایشن سے ثابت کیا کیونکہ Beta ریڈی ایشن ایک خاص شکل میں Positron کے ذرات خارج کرتی ہے۔

آگے چل کر وہ تحریر فرماتے ہیں:

”کائنات کی رفتار انگریزین نظریے کے تحت Big Bang سے قبل روشنی کی رفتار کو بڑا کرنا زیادہ تھی“ اس کا مطلب ہے آپ Big Bang کی تھیوری کو مانتے ہیں۔ اگر مانتے ہیں تو بگ بینک سے پہلے کائنات کا تمام مادہ ایک عظیم انٹیم کی شکل میں تھا اس وقت نہ روشنی تھی نہ وقت تھا۔ دھماکے کے بعد جب وہ ذرہ پھٹا تو کبکشاکیں بنا شروع ہوئیں سورج بنے اور دھماکے سے مادہ پھیلنے لگا اس وقت روشنی اور وقت وجود میں آئے۔ لیکن یہ سب اسی صورت میں ہے جب ہم Big Bang کی تھیوری پر پورائیتین رکھتے ہوں۔ اسٹینڈی اسٹیٹ اور بگ بینک کی تھیوریز کے بعد کون کون کائنات کے بارے میں اور کئی تھیوریاں آچکی ہیں جن میں ایک تھیوری String تھیوری بھی ہے۔ اور اسٹرنگ تھیوری کے مطابق کائنات کے پانچ ”بعد“ (ابعاد یا Dimention) نہیں بلکہ گیارہ ابعاد ممکن ہیں۔

مشہور سائنسدان اسٹینٹن ہاکنگ نے جب ”بلیک ہول“ پر اپنی تھیوری پیش کی تھی اور کتاب کروڑوں کی تعداد میں کئی تھی مجھے اسی وقت احساس ہو گیا تھا کہ یہ تھیوری غلط ہے اس میں گریوٹی اور

خریداری تحفہ فارم

میں "اردو سائنس ماہنامہ" کا خریدار بننا چاہتا ہوں اپنے عزیز کو پورے سال بطور تحفہ بھیجنا چاہتا ہوں خریداری کی تجدید کرانا چاہتا ہوں (خریداری نمبر.....) رسالے کا زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر چیک ڈرافٹ روانہ کر رہا ہوں۔ رسالے کو درج ذیل پتے پر بذریعہ سادہ ڈاک رجسٹری ارسال کریں:

نام..... پتہ.....

پن کوڈ.....

نوٹ:

- 1۔ رسالہ رجسٹری ڈاک سے منگوانے کے لیے زر سالانہ = 450/- روپے اور سادہ ڈاک سے = 200/- روپے ہے۔
- 2۔ آپ کے زر سالانہ روانہ کرنے اور ادارے سے رسالہ جاری ہونے میں تقریباً چار ہفتے لگتے ہیں۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد ہی یاد دہانی کریں۔
- 3۔ چیک یا ڈرافٹ پر صرف "URDU SCIENCE MONTHLY" ہی لکھیں۔ دہلی سے باہر کے چیکوں پر = 50/- روپے زائد بطور بینک کمیشن بھیجیں۔

پتہ: 665/12 ذاکر نگر، نئی دہلی۔ 110025

ضروری اعلان

بینک کمیشن میں اضافے کے باعث اب بینک دہلی سے باہر کے چیک کے لیے = 30/- روپے کمیشن اور = 20/- روپے برائے ڈاک خرچ لے رہے ہیں۔ لہذا قارئین سے درخواست ہے کہ اگر دہلی سے باہر کے چیک کا چیک بھیجیں تو اس میں = 50/- روپے بطور کمیشن زائد بھیجیں۔ بہتر ہے رقم ڈرافٹ کی شکل میں بھیجیں۔

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ: 665/12 ذاکر نگر، نئی دہلی۔ 110025

کاوش کوپن

نام
 کلاس
 اسکول کا نام و پتہ
 پین کوڈ
 گھر کا پتہ
 پین کوڈ
 تاریخ

سوال جواب کوپن

نام
 عمر
 تعلیم
 مشغلہ
 مکمل پتہ
 پین کوڈ
 تاریخ

شرح اشتہارات

مکمل صفحہ	2500/=	روپے
نصف صفحہ	1900/=	روپے
چوتھائی صفحہ	1300/=	روپے
دوسو تیسرا کور (بلیک اینڈ وائٹ)	5,000/=	روپے
ایضاً (ملٹی کلر)	10,000/=	روپے
پشت کور (ملٹی کلر)	15,000/=	روپے
ایضاً (دوکلر)	12,000/=	روپے

چھ اندراجات کا آرڈر دینے پر ایک اشتہار مفت حاصل کیجئے۔ کمیشن پر اشتہارات کا کام کرنے والے حضرات رابطہ قائم کریں۔

- رسالے میں شائع شدہ تحریروں کو بغیر حوالہ نقل کرنا ممنوع ہے۔
- قانونی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالتوں میں کی جائے گی۔
- رسالے میں شائع شدہ مضامین میں حقائق و اعداد کی صحت کی بنیادی ذمہ داری مصنف کی ہے۔
- رسالے میں شائع ہونے والے مواد سے مدیر، مجلس ادارت یا ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اونر، پرنٹر، پبلشر شاہین نے کلاسیکل پرنٹرس 243 چاؤڑی بازار، دہلی سے چھپوا کر 665/12 ڈاکٹر مگر
 نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا۔ بانی و مدیر اعزازی: ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

نمبر شمار	کتاب کا نام	قیمت	نمبر شمار	کتاب کا نام	قیمت
27-	کتاب الحادی-III	180.00 (آرڈر)	1-	ایچ پی کسٹ آف کاسن ریڈیز ان یونانی سسٹم آف میڈیسن	19.00
28-	کتاب الحادی-IV	143.00 (آرڈر)	2-	انکس	13.00
29-	کتاب الحادی-V	151.00 (آرڈر)	3-	ہندی	36.00
30-	الحالیات البقرطیس-I	360.00 (آرڈر)	4-	ہنگائی	16.00
31-	الحالیات البقرطیس-II	270.00 (آرڈر)	5-	جبل	8.00
32-	الحالیات البقرطیس-III	240.00 (آرڈر)	6-	جینکو	9.00
33-	عنوان الانانی طبقات الاطباء-I	131.00 (آرڈر)	7-	کتف	34.00
34-	عنوان الانانی طبقات الاطباء-II	143.00 (آرڈر)	8-	آڑیہ	34.00
35-	رسالہ جودیہ	109.00 (آرڈر)	9-	گہرائی	44.00
36-	فونیکیکیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنز-I	34.00 (انگریزی)	10-	عربی	44.00
37-	فونیکیکیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنز-II	50.00 (انگریزی)	11-	ہنگائی	19.00
38-	فونیکیکیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنز-III	107.00 (انگریزی)	12-	کتاب جامع لغزوات الادویہ والنغزہ-I	71.00 (آرڈر)
39-	اسٹینڈرڈ انٹرنیشنل آف سٹنڈرڈس آف یونانی میڈیسن-I	86.00 (انگریزی)	13-	کتاب جامع لغزوات الادویہ والنغزہ-II	86.00 (آرڈر)
40-	اسٹینڈرڈ انٹرنیشنل آف سٹنڈرڈس آف یونانی میڈیسن-II	129.00 (انگریزی)	14-	کتاب جامع لغزوات الادویہ والنغزہ-III	275.00 (آرڈر)
41-	اسٹینڈرڈ انٹرنیشنل آف سٹنڈرڈس آف یونانی میڈیسن-III	168.00 (انگریزی)	15-	امراض قلب	205.00 (آرڈر)
42-	کیمسٹری آف میڈیسنل پلانٹس-I	340.00 (انگریزی)	16-	امراض ریه	150.00 (آرڈر)
43-	دی کیمسٹری آف برتھ کنٹرول ان یونانی میڈیسن	131.00 (انگریزی)	17-	آئیڈیو لوجی	7.00 (آرڈر)
44-	کنٹری بیوشن فودی یونانی میڈیسنل پلانٹس فرام نارٹھ	143.00 (انگریزی)	18-	کتاب احمد دینی الجراحہ-I	57.00 (آرڈر)
45-	ڈسٹرکٹ جابل ناڈو	26.00 (انگریزی)	19-	کتاب احمد دینی الجراحہ-II	93.00 (آرڈر)
46-	میڈیسنل پلانٹس آف گوایا فریسٹ ڈویژن	11.00 (انگریزی)	20-	کتاب الکلیات	71.00 (آرڈر)
47-	کنٹری بیوشن فودی میڈیسنل پلانٹس آف ملی گڑھ	71.00 (انگریزی)	21-	کتاب الکلیات	107.00 (عربی)
48-	کیمسٹری آف میڈیسنل پلانٹس	57.00 (انگریزی)	22-	کتاب المصوری	169.00 (آرڈر)
49-	کیمیکل اسٹری آف صلیق انٹنس	05.00 (انگریزی)	23-	کتاب الادبال	13.00 (آرڈر)
50-	کیمیکل اسٹری آف دغ الفاصل	04.00 (انگریزی)	24-	کتاب التیسیر	50.00 (آرڈر)
51-	میڈیسنل پلانٹس آف آندھرا پردیش	164.00 (انگریزی)	25-	کتاب الحادی-I	195.00 (آرڈر)
			26-	کتاب الحادی-II	190.00 (آرڈر)

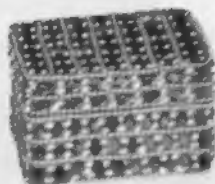
ڈاک سے منگوانے کے لیے اپنے ڈاکر کے ساتھ کتابوں کی قیمت بذریعہ چیک ڈرافٹ، جو ڈائریکٹری سی-آر-یو-ایم نئی دہلی کے نام بنا ہو، پیشگی روانہ فرمائیں۔

100/100 سے کم کی کتابوں پر محصول ڈاک بذریعہ خریدار ہوگا۔

تمام حرجیہ مل پتہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں:

Indec *Overseas*

Exporter of Indian Handicrafts



We have wide variety of.....

Costume Jewelry, Accessories, X-Mass decoration,

Glass Beads, Photo frames, Candle Stand, Nautical, Boxes, Hand Bags etc.

Contact person: S.M.Shakil
E-Mail: indecc@del3.vsnl.net.in

URL: www.indec-overseas.com

Tel.: (0091-11) 23941799, 23923210

793, Katra Bashir Ganj, Ballimaran,
Chandni Chowk, Delhi 110 006
(India)

Telefax: (0091-11) - 23926851